فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں (القرآن)

خزینة الفقه

ابو حمزہ محمد آصف مدنی

سرگودھا، پنجاب، پاکستان

0313.7013113

قرآن مجید فرقان حمید میں

حضرت سیدنا شعیب علیہ السلام کا فرمان عالیشان ہے:

"اِنۡ اُرِيۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ‌ ؕ وَمَا تَوۡفِيۡقِىۡۤ اِلَّا بِاللّٰهِ‌ ؕ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَاِلَيۡهِ اُنِيۡبُ"

ترجمہ: میں تو صرف اصلاح چاہتا ہوں جتنی مجھ سے ہو سکے اور میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

(پارہ 12، سورۃ ھود، آیت 88)

فہرست مضامین

انتساب

فقیر اپنی اس ادنیٰ کاوش کو

صاحب الوسادۃ والنعلین، فقیہ و مجتہد صحابی رسول

حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اور امام الائمہ، کشف الغمہ، سراج الامۃ، حضرت سیدنا و مولانا

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اور امام اہلسنت، مجدد دین وملت، عاشق رسول، الحاج، الحافظ، الشاہ

امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ

کے نام منسوب کرتا ہے۔

اللہ رب العزت شرف قبولیت عطا فرمائے اور اخلاص و استقامت کیساتھ خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ابو حمزہ محمد آصف مدنی

کیاموجودہ اولادِہاشم اہلبیت ہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ کیا اب تک کی اولادِ ہاشم اور سادات کرام، اہلبیت میں شمار ہوں گے؟ نیز سادات کرام وہاشمی صاحبان کی تعظیم وتوقیر اور انہیں زکوۃ وفطرہ دینے سے متعلق شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ بینوا وتوجروا سائل: عبداللہ (پاکستان)

الجواب

جی ہاں! اب تک کی اولادِ ہاشم اور سادات کرام اہلبیت میں شمار ہوں گے کہ ہاشمی سے مراد حضرت عبدالمطلب کے بیٹے حضرت عباس وحارث اور پوتے حضرت مولیٰ علی وجعفر وعقیل رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اولادیں ہیں، جبکہ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجھہ الکریم کی جو اولاد حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے ہیں ان کو اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی اولاد کو سید کہا جاتا ہے۔ لیکن یاد رہے! ہر سید ہاشمی ضرور ہے مگر ہر ہاشمی سید ہو یہ ضروری نہیں۔

یادرھے! سادات کرام کی طرح ہاشمی حضرات کو بھی زکوۃ وفطرہ اور دیگر صدقات واجبہ دینا جائز نہیں کہ زکوۃ فطرہ مال کا میل ہیں اور میل کچیل سادات کرام وہاشمی صاحبان کو پیش کرنا ان کے شایانِ شان نہیں ہے اور اگر کسی نے انہیں زکوۃ دی تو زکوۃ ادا نہ ہوگی۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ سادات کرام وہاشمی صاحبان کی خدمت اپنے پاکیزہ وستھرے مال سے بطور نذرانہ کریں۔

یہ بھی یادرھے! صحیح العقیدہ سنی سادات کرام یا ہاشمی حضرات کی تعظیم وتکریم ہمیشہ لازم ہے، ہاں اگر کوئی شخص اپنے آپ کو سید یا ہاشمی کہلاتا ہو لیکن اس کے عقائد ونظریات حد کفر تک پہنچے ہوں تو ان کی تعظیم وتوقیر ہرگز جائز نہیں کیونکہ اس کے عقائد کا کفریات پر مشتمل ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سید یا ہاشمی ہے ہی نہیں کیونکہ اہلبیت پاک کیلئے آیت تطہیر میں رب تعالیٰ نے تطہیر (یعنی پاکی) کا اعلان فرمایا ہے جبکہ کفر سے بڑھ کر کوئی نجاست وآلودگی ہو ہی نہیں سکتی۔

ہمارا ایمان ھے کہ خونِ رسول ﷺ میں کبھی بھی کفر جیسی ناپاکی وآلودگی داخل نہیں ہو سکتی، جیسے ابولہب کہ حضور کا سگا چچا ہونے کے باوجود اہلبیت پاک میں شامل نہ ہو سکا کہ وہ تو کفر کی نجاست سے آلودہ تھا جبکہ اہلبیت میں شامل ہونے کیلئے ایمان جیسی عظیم پاکیزگی لازم وضروری ہے۔ لہٰذا جس کا ایمان وعقیدہ درست نہیں اس کا سید وہاشمی ہونے کا دعویٰ بھی درست نہیں۔

البتہ اگر کوئی سید وہاشمی صاحب درست عقائد و نظریات کے حامل ہوں لیکن اعمالِ صالحہ میں قدرے کمزور ہوں تو بھی ان کی تعظیم و توقیر کی جائے گی۔ اب اسکی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

حکیم الامت **مفتی احمد یار خان نعیمی** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مراۃ شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں:

اہلبیت کے معنیٰ ہیں گھر والے، اہلبیت رسول چند معنیٰ میں آتا ہے:

1:- جن پر زکوۃ لینا حرام ہے یعنی بنی ہاشم عباس، علی، جعفر، عقیل، حارث کی اولاد (علیہم الرضوان)

2:- حضور ﷺ کے گھر میں پیدا ہونے والے (صاحبزادے و صاحبزادیاں و حضرات حسنین کریمین علیہم الرضوان)

3:- حضور کے گھر میں رہنے والے جیسے ازواج پاک (رضی اللہ تعالیٰ عنہن)

4:- حضور ﷺ کے گھر میں آنے جانے والے، جیسے حضرت زید بن حارثہ اور اسامہ ابن زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

(مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح، جلد 8، کتاب المناقب، صفحہ 372، نعیمی کتب خانہ، لاہور)

امام مسلم بن حجاج قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ان ھذہ الصدقات انما ھی او ساخ الناس و انھا لا تحل لمحمد و لا لآل محمد ﷺ،،

ترجمہ: یہ صدقات لوگوں کے (اموال کے) میل ہی ہیں اور یہ محمد و آل محمد ﷺ کیلئے حلال نہیں۔

(صحیح مسلم، جلد 1، کتاب الزکوۃ، صفحہ 403، حدیث 2482، مطبوعہ لاہور)

اس پر امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس نام سے باب باندھا:

"باب تحریم الزکوۃ علیٰ رسول اللہ صلی للہ علیہ و سلم و علیٰ آلہ و ھم بنو ھاشم و بنو المطلب دون غیرھم،،

یعنی رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر زکوۃ کا حرام ہونا نہ کہ ان کے علاوہ پر اور آپ کی آل بنوہاشم و بنو عبد المطلب ہیں۔

امام مسلم علیہ الرحمہ کے اس باب سے ثابت ہوا کہ بنوہاشم و بنو عبد المطلب بھی آلِ محمد ہیں۔

امام بغوی تفسیر معالم التنزیل المعروف بہ تفسیرِ بغوی میں فرماتے ہیں:

"قال زید بن ارقم: اھل البیت من حرم الصدقۃ بعدہ آل علی و آل عقیل و آل جعفر و آل عباس،،

یعنی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے اہلبیت وہ سب لوگ ہیں جن پر صدقہ کا مال لینا حرام کر دیا گیا۔ یعنی اولاد علی، اولاد جعفر، اولاد عقیل، اولاد عباس، اور اولاد حارث بن عبد المطلب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

(تفسیر معالم التنزیل، جلد 5، سورۃ الاحزاب، آیت 33، صفحہ 138، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

امام اہلسنت **امام احمد رضاخان قادری** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

زکوۃ سادات کرام وسائر (تمام) بنی ہاشم پر حرام قطعی ہے جس کی حرمت پر ہمارے آئمہ ثلاثہ بلکہ آئمہ مذاہب اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین کا اجماع قائم۔ امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "**المیزان الکبرٰی**،، میں فرماتے ہیں:"

اتفق الائمۃ الاربعۃ علیٰ تحریم الصدقۃ المفروضۃ علی بنی ھاشم و بنی عبدالمطلب وھم خمس بطون آل علی و آل العباس و اٰل جعفر و اٰل عقیل و اٰل الحارث بن عبدالمطلب ھذا من مسائل الاجماع و الاتفاق اھ (ملخصا)،،

ترجمہ: اس پر بھی اتفاق ہے کہ فرض صدقہ بنوہاشم اور بنوعبدالمطلب کولینا حرام ہے اوروہ پانچ شاخہائے قبیلہ ہیں (1) اولاد علی (2) آل عباس (3) اولاد جعفر (4) اولاد عقیل (5) آل حارث بن عبدالمطلب (رضی اللہ تعالیٰ عنھم) یہ اجماعی اور اتفاقی مسائل میں سے ہے۔

(فتاوی رضویہ، جلد10، کتاب الزکوۃ، صفحہ 99۔ رضافاؤنڈیشن لاہور)

اہلبیت پر صدقات واجبہ کی وجہِ تحریم بیان کرتے ہوئے امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

بنی ہاشم کو زکوٰۃ و صدقات واجبات دینا زنہار جائز نہیں، نہ انھیں لینا حلال۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں اس کی تحریم میں آئیں، اور علتِ تحریم ان کی عزّت وکرامت ہے کہ زکوٰۃ مال کا مَیل ہے اور مثل سائر صدقاتِ واجبہ غاسل ذنوب، تو ان کا حال مثل ماءِ مستعمل کے ہے جو گناہوں کی نجاسات اور حدث کے قاذورات دھو کر لایا اُن پاک لطیف سُتھرے لطیف اہلبیت طیب وطہارت کی شان اس سے بس ارفع واعلیٰ ہے کہ ایسی چیزوں سے آلودگی کریں۔

(فتاوی رضویہ، جلد10، کتاب الزکوۃ، صفحہ 271، رضافاؤنڈیشن لاہور)

ایک جگہ فرماتے ہیں:

"بیشک اس تحریم کی علت ان حضرات عالیہ کی عزت وکرامت ونظافت وطہارت کہ زکوۃ مال کا میل ہے اور گناہوں کا دھوون، اس ستھری نسل والوں کے قابل نہیں خود حضوراقدس صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس تعلیل کی تصریح فرمائی،،

(فتاوی رضویہ، جلد10، کتاب الزکوۃ، صفحہ 100، رضافاؤنڈیشن لاہور)

معلوم ہوا زکوۃ مال کا میل ہے اس وجہ سے اولاد بنی ہاشم وسادات کرام کو دینا اورانہیں لینا جائز نہیں لیکن کیا یہ تحریم فقط زمانہ نبوی کے اولاد بنی ہاشم وسادات کرام کیلئے تھی یا قیامت تک کے اہلبیت کیلئے ہے؟

اس کا جواب دیتے ہوئے امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"اسی طرح عامہ علماء مثل امام ابو جعفر طحاوی۔۔ اوران کے غیر اس حکم (یعنی سادات کرام واولا د بنی ہاشم پر زکوۃ کے حرام ہونے) کی یہی علت (وجہ) بیان فرماتے ہیں، اور شک نہیں کہ یہ علت تغیرِ زمانہ (زمانہ بدلنے) سے متغیر (تبدیل) نہیں ہو سکتی تو دائماً ابداً (ہمیشہ ہمیشہ) بقائے حکم (یعنی ان پر ہمیشہ زکوۃ وغیرہ کے حرام ہونے کے حکم کے باقی رہنے) میں کوئی شبہ نہیں۔ (فتاوی رضویہ، جلد10، کتاب الزکوۃ، صفحہ 101، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

مزید فرماتے ہیں: رہا یہ کہ پھر اس پر آشوب (پر فتن) زمانہ میں حضرات سادات کرام (و بنی ہاشم) کی مواسات کیونکر ہو؟ پھر اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

اقول: بڑے مال والے اگر اپنے خالص مالوں سے بطور ہدیہ ان حضراتِ عُلیہ کی خدمت نہ کریں تو ان کی بے سعادتی ہے، وُہ وقت یاد جب ان حضرات کے جدّ ِاکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سوا ظاہری آنکھوں کو بھی کوئی ملجا و ماوی نہ ملے گا، کیا پسند نہیں آتا کہ وُہ مال جو اُنھیں کے صدقے میں انھیں کی سرکار سے عطا ہُوا، جسے عنقریب چھوڑ کر پھر ویسے ہی خالی ہاتھ زیرِ زمین جانے والے ہیں، اُن کی خوشنودی کے لیے ان کے پاک مبارک بیٹوں پر اُس کا ایک حصّہ صرف کیا کریں کہ اُس سخت حاجت کے دن اُس جو اد کریم رؤف و رحیم علیہ افضل الصلٰوۃ والتسلیم کے بھاری انعاموں، عظیم اکراموں سے مشرف ہوں۔

"ابن عساکر امیر المؤمنین مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجھہ سے راوی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"من صنع الی اھل بیتی یدا کافاته علیها یوم القیمة،،

یعنی جو میرے اہل بیت میں سے کسی کیساتھ اچھا سلوک کرے گا میں روز قیامت اس کا صلہ اسے عطا فرماؤں گا۔

خطیب بغدادی امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"من صنع صنیعة الیٰ احد من خلف عبد المطلب فی الدنیا فعلی مکافاته اذا القینی،،

یعنی جو شخص اولاد عبد المطلب میں کسی کے ساتھ دنیا میں نیکی کرے اس کا صلہ دینا مجھ پر لازم ہے جب وہ روز قیامت مجھ سے ملے گا۔ (فتاوی رضویہ، ج10، کتاب الزکوۃ، صفحہ 105، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

سادات کرام کی تعظیم و توقیر کے بارے میں آپ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

یہ فقیر ذلیل بحمدہ تعالیٰ حضرات ساداتِ کرام کا ادنیٰ غلام و خاکپا ہے۔ ان کی محبت و عظمت ذریعہ نجات و شفاعت جانتا ہے، اپنی کتابوں میں چھاپ چکا ہے کہ **سیّد اگر بد مذہب بھی ہو جائے تو اس کی تعظیم نہیں جاتی جب تک بد مذہب حدِ کفر تک نہ پہنچے، ہاں بعدِ کفر سیادت ہی نہیں رہتی، پھر اس کی تعظیم حرام ہو جاتی ہے۔** اور یہ بھی فقیر بارہا فتوٰی دے چکا ہے کہ کسی کو

سید سمجھنے اور اس کی تعظیم کرنے کے لیے ہمیں اپنے ذاتی علم سے اسے سید جاننا ضروری نہیں، جو لوگ سید کہلائے جاتے ہیں ہم ان کی تعظیم کریں گے، ہمیں تحقیقات کی حاجت نہیں، نہ سیادت کی سند مانگنے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ اور خواہی نخواہی سند دکھانے پر مجبور کرنا اور نہ دکھائیں تو بُرا کہنا مطعون کرنا ہرگز جائے نہیں۔ "**الناس امنأعلی انسابھم**" (لوگ اپنے نسب پر امین ہیں)، ہاں جس کی نسبت ہمیں خوب تحقیق معلوم ہو کہ یہ سیّد نہیں اور وہ سید بنے اس کی ہم تعظیم نہ کریں گے نہ اسے سید کہیں گے اور مناسب ہو گا کہ ناواقفوں کو اس کے فریب سے مطلع کر دیا جائے۔

(فتاوی رضویہ: جلد29، صفحہ 588، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

ایک جگہ فرماتے ہیں:

سید سنی المذہب کی تعظیم لازم ہے اگرچہ اس کے اعمال کیسے ہوں ان اعمال کے سبب اس سے تنفر (نفرت) نہ کیا جائے نفس اعمال سے تنفر ہو بلکہ اس کے مذہب میں بھی قلیل فرق ہو کہ حد کفر تک نہ پہنچے جیسے تفضیل تو اس حالت میں بھی اس کی تعظیم سیادت نہ جائے گی ہاں اگر اس کی بد مذہبی حد کفر تک پہنچے جیسے رافضی، قادیانی، نیچری وغیرہم تو اب اس کی تعظیم حرام ہے کہ جو وجہ تعظیم تھی یعنی سیادت وہی نہ رہی۔ (فتاوی رضویہ: جلد22، صفحہ 423، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

اور فرماتے ہیں: "ائمہ دین اولیائے کاملین علمائے عالمین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تصریح فرماتے ہیں کہ ساداتِ کرام بحمد اللہ تعالیٰ خباثت کفر سے محفوظ ومصئون ہیں جو واقعی سید ہے اس سے کبھی کفر واقع نہ ہو گا،"

قال اللہ تعالیٰ: انّما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا"۔

(القرآن الکریم ۳۳/۳۳)

اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم سے نجاست دور رکھے اے نبی کے گھر والو! اور تمہیں خوب پاک کر دے ستھرا کر کے۔

امام اہلسنت **امام احمد رضاخان قادری** علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

جب عام صالحین کی صلاح ان کی نسل واولاد کو دین ودنیا وآخرت میں نفع دیتی ہے تو صدیق وفاروق وعثمان وعلی وجعفر وعباس وانصار کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی صلاح کا کیا کہنا۔ جن کی اولاد میں شیخ۔ صدیقی وفاروقی وعثمانی وعلوی وجعفری وعباسی وانصاری ہیں۔ یہ کیوں نہ اپنے نسب کریم سے دین ودنیا وآخرت میں نفع پائیں گے۔ پھر اللہ اکبر حضرات علیہ سادات کرام۔ اولاد امجاد حضرت خاتون جنت بتول زہرا کہ حضرت پر نور سید الصالحین سید العالمین سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں کہ ان کی شان تو ارفع واعلیٰ وبلند وبالا ہے ____ اللہ عزوجل فرماتا ہے: "انما یرید اللہ

لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا "۔ اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی دور رکھے اے نبی کے گھر والو، اور تمھیں ستھرا کر دے خوب پاک فرما کر۔ (القرآن الکریم ۳۳/ ۳۳)

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

"وعدنی ربی فی اھل بیتی من اقر منھم بالتوحید ولی بالبلاغ ان لایعذبھم رواہ الحاکم، عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصححہ ھو ثم ابن حجر فی صواعقہ۔"۔

میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میرے اہل بیت سے جو شخص اللہ کی وحدانیت اور میری رسالت پر ایمان لائے گا اسے عذاب نہ فرمائے گا۔ اس کو روایت کیا ہے حاکم نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور اسے صحیح کہا، پھر ابن حجر نے اپنی صواعق میں۔ (المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دارالفکر بیروت ۳/ ۱۵۰)

(فتاوی رضویہ: جلد 23، صفحہ 244، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

تفسیر قرطبی آیہ کریمہ " ولسوف یعطیک ربّک فترضٰی "کی تفسیر میں حضرت ترجمان القرآن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناقل کہ انہوں نے فرمایا: " رضامحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان لایدخل احدمن اھل بیتہ النّار "

یعنی اللہ عزوجل نے حضور اقدس ﷺ سے راضی کر دینے کا وعدہ فرمایا اور محمد ﷺ کی رضا اس میں ہے کہ ان کے اہل بیت سے کوئی دوزخ میں نہ جائے۔

(الجامع لاحکام القرآن (تفسیر القرطبی) تحت آیۃ ولسوف یعطیک ربک، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۲۰/ ۹۵)

نار دو قسم کی ہے: نارِ تطہیر کہ مومن عاصی جس کا مستحق ہو، اور **نارِ خلود** کافر کے لئے ہے۔

اہل بیت کرام میں حضرت امیر المؤمنین مرتضی و حضرت بتول زہرا و حضرت سید مجتبٰی و حضرت شہید کربلا صلی اللہ تعالیٰ علٰی سید ہم و علیہم وبارک وسلم تو بالقطع والیقین ہر قسم سے ہمیشہ ہمیشہ محفوظ ہیں اس پر تو اجماع قائم اور نصوص متواترہ حاکم باقی نسل کریم تا قیام قیامت کے حق میں اگر بفضلہٖ تعالیٰ مطلق دخول سے محفوظی لیجئے اور یہی ظاہر لفظ سے متبادر، اور اسی طرف کلماتِ اہل تحقیق ناظر، جب تو مراد بہت ظاہر، اور منع خلود مقصود جب بھی نفی کفر پر دلالت موجود۔

شرح المواہب للعلامۃ الزرقانی میں زیر حدیث مذکور:

"انما سمیت فاطمۃ ھی فاماھی وابناھا فالمنع مطلق وامامن عداھم فالممنوع عنھم نار الخلود، واما مارواہ ابو نعیم والخطیب ان علیا الرضا بن موسی الکاظم ابن جعفر الصادق سئل عن حدیث ان فاطمۃ احصنت فقال خاص بالحسن والحسین وما نقلہ الاخباریون عنہ من توبیخہ لاخیہ زید حین خرج علی المامون وقولہ اغرک قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان فاطمۃ احصنت الحدیث ان ھذا لمن خرج من بطنھا لا لی ولا لک فھذا من

باب التواضع وعدم الاغترار بالمناقب وان كثرت كما كان الصحابة المقطوع لهم بالجنّة على غاية من الخوف والمراقبة والا فلفظ ذرية لا يخص بمن خرج من بطنها فی لسان العرب ومن ذریته داؤد وسلیمٰن الأیة وبینهم وبینه قرون كثيرة فلا يريد ذٰلک مثل علی الرضا مع فصاحته ومعرفته لغة العرب على ان التقليد بالطائع يبطل خصوصية ذريتها ومحبيها الا ان يقال الله تعذيب الطائع فالخصوصية ان لا يعذ به اكراما لها والله اعلم، اھ مختصرا"

بیشک فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا یہ نام ہے لیکن فاطمہ اور ان کے بیٹے تو ان پر مطلقاً جہنم کی آگ ممنوع ہے لیکن ان کے ماسوا کے لئے جہنم کا خلود ممنوع ہے۔ آپ پر اور ان پر اللہ تعالٰی کا سلام ہو۔

لیکن جو ابو نعیم اور خطیب نے روایت کیا ہے کہ علی رضا بن موسٰی کاظم ابن جعفر الصادق سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا کہ فاطمہ نے اپنے حرم گاہ کو محفوظ رکھا تو انہوں نے جواب میں فرمایا یہ حسن اور حسین کے لئے خاص ہے اور وہ جو مورخین نے ان سے یہ نقل کیا کہ انہوں نے اپنے بھائی زید کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا جب اس نے مامون پر خروج کیا اور کہا کیا تجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان نے غرور میں مبتلا کیا ہے کہ فاطمہ نے اپنی حرم گاہ کو محفوظ رکھا ہے۔(الحدیث)

اس پر انہوں نے فرمایا یہ میرے اور تیرے لئے خاص نہیں بلکہ جو آپ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے بطن سے پیدا ہوا ہے ان سب کے لئے ہے، تو یہ تواضع اور مناقب کثیرہ کے باوجود غرور نہ کرنے کے باب سے ہے جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے جنت قطعی ہے اس کے باوجود وہ خوف و مراقبہ میں مبتلا تھے، ورنہ تو ذریت کا لفظ عربی زبان میں ایک پیٹ کی اولاد کے لئے خاص نہیں، جیسے آیہ کریمہ " ومن ذریتہ داؤد وسلیمٰن" ہے، حالانکہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور داؤد و سلیمٰن علیہما السلام کے درمیان کئی قرون کا فاصلہ ہے، لہٰذا علی رضا اپنی فصاحت اور عربی لغت کی معرفت کے باوجود یہ خاص مراد نہیں لے سکتے، علاوہ ازیں نافرمان کی تقلید حضرت زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کی اولاد کی خصوصیت کو باطل کر دیتی ہے، مگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالٰی کو نافرمان کی تعذیب کا اختیار ہے لیکن حضرت زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کے اکرام کے لئے اُسے عذاب نہیں دیتا، واللہ تعالٰی اعلم اھ مختصراً۔

(شرح الزرقانی المواہب اللدنیۃ، المقصد الثانی، الفصل الثانی، دارالمعرفۃ، بیروت، ۳/ ۲۰۳)

"ورأيتنى كتبت على هامش قوله الا ان يقال ما نصه۔ اقول ولا يجدى فان الوقوع ممنوع باجماع اهل السنة واما الامكان فثابت عند من يقول به الى خلاف ائمتنا الماتريدة رضى الله تعالٰى عنهم فانهم يحيلونه وقد تكلمت فى

مسئلة علی ھامش فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت لبحر العلوم بما یکفی ویشفی فانی اجدنی فیھا ارکن وامیل الی قول ساداتنا الاشعریۃ رحمھم اللہ تعالٰی ورحمنا بھم جمیعا واللہ اعلم بالصواب فی کل باب"۔

میں نے زرقانی کے قول "الا ان یقال" پر حاشیہ لکھا ہے جس کی عبارت یہ ہے:

اقول (میں کہتا ہوں) ان کا یہ بیان مفید نہیں ہے عذاب کا وقوع تو باجماع اہلسنّت ممنوع ہے، باقی رہا امکان تو یہ اس قائل کے ہاں ثابت ہے جو ہمارے ائمہ ماتریدیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے خلاف ہے کیونکہ یہ ائمہ محال سمجھتے ہیں، میں نے اس مسئلہ پر کتاب مسلم الثبوت کی شرح بحر العلوم فواتح الرحموت پر حاشیہ میں کافی اور شافی بحث کی ہے میں نے وہاں اپنے کو سادات اشعریہ رحمہم اللہ کے قول کی طرف مائل پایا، اللہ تعالٰی ہم سب پر رحم فرمائے۔ (واللہ تعالٰی اعلم)

فتاوٰی حدیثیہ امام ابن حجر مکی میں ہے:

"اذا تقرر ذٰلک فمن علمت نسبتہ الٰی اٰل البیت النبوی والسر العلوی لا یخرجہ عن ذٰلک عظیم جنایتہ ولا عدم دیانتہ وصیانتہ ومن ثم قال بعض المحققین ما مثال الشریف الزانی او الشارب او السارق مثلاً اذا اقمنا علیہ الحد الا کامیر او سلطان تلطخت رجلاہ بقذر فغسلہ عنھما بعض خدمہ ولقد بر فی ھذا المثال وحقق ولیتأمل قول الناس فی امثالھم الولد العاق لا یحرم المیراث نعم الکفر ان فرض وقوعہ لاحد من اھل البیت والعیاذ باللہ تعالٰی ھو الذی یقطع النسبۃ بین من وقع منہ وبین شرفہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما قلت ان فرض لاننی اکاد ان اجزم ان حقیقۃ الکفر لا تقع ممن علم اتصال نسبہ الصحیح بتلک البضعۃ الکریمۃ حاشاھم اللہ من ذٰلک وقد احال بعضھم وقوع نحو الزنا واللواط ممن علم شرفہ فما ظنک بالکفر"

توجب یہ ثابت ہوا تو جس کی نسبت اہلبیت نبی اور علوی حضرات کی طرف معلوم ہے تو اس کی بڑی جنایت اور عدم دیانت وصیانت اس کو اس نسبت سے خارج نہ کرے گی، اس بات کی بناء پر بعض محققین نے فرمایا زانی یا شرابی یا چور سید پر حد قائم کرنے کی مثال صرف یہی ہے جیسے امیر یا سلطان کا کوئی خادم اس کے پاؤں پر لگی نجاست کو صاف کرے، اس مثال کو غور سے سمجھا جائے اور لوگوں کی اس بات پر بھی غور کیا جائے کہ نافرمان اولاد وراثت سے محروم نہیں ہوتی، ہاں اگر ان حضرات سے کفر کا وقوع فرض کیا جائے، والعیاذ باللہ، تو اس سے وہ نسبت منقطع ہو جائے گی، میں نے صرف فرض کرنے کی بات اس لئے کی ہے کیونکہ مجھے جزم کی حد تک یقین ہے کہ جو صحیح النسب سید ہو اس سے حقیقی کفر کا وقوع نہیں ہو سکتا اللہ تعالٰی ان کو اس سے بلند رکھے، بعض نے ان سے زنا اور لواطت جیسے افعال کو بھی محال کہا ہے بشرطیکہ ان کی نسبی شرافت یقینی ہو تو پھر کفر کے متعلق تیرا کیا خیال ہے۔

(فتاوٰی حدیثیہ، طلب ما الحکمۃ فی خصوص اولاد فاطمہ بالمشرف، المطبعۃ الجمالیہ، مصر، ص ۱۲۲)

امام الطریقۃ لسان الحقیقۃ شیخ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ فتوحات مکیہ باب ۲۹ میں فرماتے ہیں:

"لما کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عبدا مخصا قد طھرہ اللہ و اھل بیتہ تطھیرا و اذھب عنھم الرجس وھو کل ما یشینھم فھم المطھرون بل ھم عین الطھارۃ فھذہ الاٰیۃ تدل علی ان اللہ تعالٰی قد شرک اھل البیت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی قولہ تعالٰی لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تأخر، و ای وسخ و قذر من الذنوب فطھر اللہ سبحانہ نبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالمغفرۃ ممّا ھو ذنب بالنسبۃ الینا فدخل الشرفاء اولاد فاطمۃ کلھم رضی اللہ تعالٰی عنھم الی یوم القیمۃ فی حکم ھذہ الاٰیۃ من الغفران الی اٰخر"

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالٰی کے خاص عبد ہیں کہ ان کو اور ان کے اہل بیت کو کامل طور پر پاک کر دیا ہے اور ناپاکی کو ان سے دور کر دیا ہے اور رجس ہر ایسی چیز ہے جو ان حضرات کو داغدار کرے تو وہ پاکیزہ لوگ بلکہ وہ عین طہارت ہیں، تو اللہ تعالٰی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اہل بیت کو طہارت میں شریک فرمایا ہے جس پر آیہ کریمہ ہے "لیغفر لک اللہ" اللہ تعالٰی نے آپ کے لئے پہلے اور پچھلے آپ کے خطایا معاف کر دئے یعنی گناہوں کی میل و قذر سے آپ کو پاک رکھا ہے جو ہماری نسبت سے گناہ ہوسکتے ہیں تو تمام سادات حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی اولاد اس حکم میں داخل ہے۔۔۔الخ (الفتوحات المکیۃ، الباب التاسع والعشرون، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱/ ۱۹۶)

یہ وجوہ ہیں ورنہ حاشاللہ ہزار ہزار حاشاللہ نہ بطن پاک حضرت بتول زہرا میں معاذ اللہ کفر و کافری کی گنجائش، نہ جسم اطہر سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا کوئی پارہ کتنے ہی بُعد پر عیاذاً باللہ دخولِ نار کے لائق، الحمد للہ یہ دو دلیل جلیل واجب التعویل ہیں۔

تین قیاس پر مشتمل

دلیل اوّل: (۱) یہ شخص کافر ہے اور ہر کافر نجس۔ **نتیجہ:** یہ شخص نجس ہے۔

(۲) ہر سید صحیح النسب طاہر ہے اور کوئی طاہر نجس نہیں، **نتیجہ:** کوئی سید صحیح النسب نجس نہیں۔

(۳) اب یہ دونوں نتیجے ضم کیجئے یہی شخص نجس ہے اور کوئی سید صحیح النسب نجس نہیں۔ **نتیجہ:** یہ شخص سید صحیح النسب نہیں۔

قیاس اول کا صغرٰی مفروض اور کبرٰی منصوص اور دوم کا صغرٰی منصوص اور کبرٰی بدیہی تو نتیجہ قطعی۔

دلیل دوم:

قیاس مرکب، یہ بھی تین قیاسوں کو متضمن، یہ شخص کافر ہے اور ہر کافر مستحق نار۔

نتیجہ: یہ شخص مستحقِ نار ہے اور نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے جسم اقدس کا کوئی پارہ مستحقِ نار نہیں۔

نتیجہ: یہ شخص نبی ﷺ کے جسمِ اقدس کا پارہ نہیں اور ہر سید صحیح النسب نبی ﷺ کے جسم اقدس کا پارہ ہے۔

نتیجہ: یہ شخص سید صحیح النسب نہیں۔

پہلا کبریٰ منصوص قرآن، اور دوسرے کا شاہد ہر مومن کا ایمان، اور تیسر اعقلاً وفقہاً واضح البیان۔

(فتاوی رضویہ، جلد15، صفحہ 148، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا کہ اب تک کی اولادِ ہاشم اور سادات کرام بھی اہلبیت میں شمار ہوں گے جیسا کہ امام اہلسنت علیہ الرحمہ کے کلام سے ظاہر ہے۔ لیکن یادرہے! مذکورہ تمام احکام صحیح العقیدہ اولادِ ہاشم وسادات کرام کے ہیں، نہ کہ بدعقیدہ کیلئے کہ وہ اہلبیت میں ہر گز شمار نہ ہوں گے کہ اس کی بدعقیدگی کے باعث اس کا نسب منقطع ہو گیا۔

امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"سادات کرام کی تعظیم ہمیشہ (کی جائے گی) جب تک ان کی بد مذہبی حد کفر کو نہ پہنچے کہ اس کے بعد وہ سید ہی نہیں، نسب منقطع ہے۔ اللہ عزوجل قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

"قال یٰنوح انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح ،، (پ12، ھود:46)

ترجمہ: "فرمایا! اے نوح! وہ (یعنی تیرا بیٹا کنعان) تیرے گھر والوں میں نہیں بیشک اس کے کام بڑے نالائق ہیں۔،،

بدمذھب جن کی بدمذہبی حد کفر کو پہنچ جائے اگر چہ سید مشہور ہوں نہ سید ہیں، نہ ان کی تعظیم حلال بلکہ توہین وتکفیر فرض۔

(فتاوی رضویہ، جلد22، کتاب الحظر والاباحۃ صفحہ 421۔ ملخصاً، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

صدرالشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں:

"بنی ہاشم حضرت علی وجعفر وعقیل اور حضرت عباس وحارث بن عبد المطلب کی اولادیں ہیں۔ ان کے علاوہ جنھوں نے نبی صلیٰ اللہ علیہ وسلم کی اعانت نہ کی مثلاً ابولہب کہ اگرچہ یہ کافر بھی حضرت عبد المطلب کا بیٹا تھا مگر اسکی اولادیں بنی ہاشم میں شمار نہ ہوں گی"۔ (بہار شریعت، جلد1، حصہ، 5، زکاۃ کا بیان، صفحہ 931، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

الجواب صحیح — واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري — کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

1 جمادی الاولیٰ 1441ھ 29 دسمبر 2019

نمازی کی پیشانی پر محراب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ بعض نمازیوں کی پیشانی پر کثرتِ نماز کے سبب جو سیاہ داغ بن جاتاہے(جسے عرفِ عام میں محراب کہتے ہیں) اسکی شرعی حیثیت کیاہے؟زید کا کہناہے کہ "یہ بیکار ہے"۔بینوا وتوجروا سائل:عبداللہ(پاکستان)

الجواب

کثرتِ نمازاور سجدے میں پیشانی کو اچھی طرح جمانے کے سبب بعض نمازیوں کی پیشانی پر سیاہ داغ بن جاتاہے جس کازائل کرنا نمازی کیلئے ناممکن اور بعض اسلافِ کرام رحمہ اللہ السلام کی پیشانی پر بھی اس کاہونا ثابت۔ بالخصوص سیدنا امام سجاد زین العابدین علی بن حسین بن علی المرتضیٰ وحضرت علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما کہ ان کو اس نورانی نشان کے سبب "ذو الثفنات"یعنی گھٹے والا کہا جاتا تھا۔لہذا زید کا یہ کہنا کہ "یہ بیکار ہے" ہرگز درست نہیں۔

یادرہے!جن روایات میں اس نشان کو مذموم فرمایا گیاان سے مراد دکھاوے کیلئے جان بوجھ کر بنانا ہے۔ چنانچہ

امام اہلسنت **امام احمد رضاخان قادری** علیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اقول:(میں کہتاہوں)اس روایت کاحال اللہ جانے اوربفرض ثبوت وہ اس پر محمول جو دکھاوے کیلئے ماتھے اور ناک کی مٹی نہ چھڑائے کہ لوگ جانیں یہ ساجدین سے ہے اوروہ انکار بھی سب اسی صورتِ ریاء کی طرف راجع ورنہ کثرت سجود یقیناً محمود اورماتھے پر اس سے نشان خود بن جانانہ اس کاروکنا اس کی قدرت میں ہے نہ زائل کرنانہ اس کی اس میں کوئی نیتِ فاسدہ ہے تواس پر انکارنا متصور اورمذمت ناممکن بلکہ من جانب اللہ اس کے عملِ حُسَن کانشان اس کے چہرے پرہے توزیرِ آیہ کریمہ "**سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود**"داخل ہوسکتاہے کہ جو معنٰی فی نفسہ صحیح ہو اوراس پر دلالتِ لفظ مستقیم اسے معانیِ آیاتِ قرآنیہ سے قراردے سکتے ہیں ۔**کماصرح به الامام حجة الاسلام وعليه درج عامة المفسرين الاعلام**۔

اب یہ نشان اسی محمود ومسعود نشانی میں داخل ہوگا جس کی تعریف اس آیت کریمہ میں ہے کہ بلاشبہ یہ امر جس طور پر ہم نے تقریر کی فی نفسہ عمل حسن سے ناشی اوراس کی نشانی اورالفاظ آیت کریمہ میں اس کی گنجائش ہے لاجرم(یقیناً) تفسیر نیشاپوری میں اسے بھی آیت میں برابر کا محتمل رکھا۔ تفسیر کبیر میں اسے بھی تفسیر آیت میں ایک قول بتایا۔کشاف

وارشادالعقل میں اسی پر اعتماد کیا۔ بیضاوی نے اسی پر اقتصار کیااوراس کے جائز بلکہ محمود ہونے کو اتنابس ہے کہ سیدناامام سجادزین العابدین علی بن حسین بن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنھم کی پیشانی نورانی پر سجدہ کا یہ نشان تھا۔

مفاتیح الغیب میں ہے:

"قولہ تعالیٰ سیماھم فی وجھان احدھماان ذلک یوم القیمۃ وثانیھماان ذلک فی الدنیاو فیہ وجھان احدھماان المرادمایظھر فی الجباہ بسبب کثرۃ السجود الخ"

(یعنی اس علامت میں دو تفسیریں ہیں: ایک یہ کہ قیامت میں ہوگی۔ دوسری: یہ کہ دنیامیں ہے اوراس خیر میں دو تفسیریں ہیں: ایک یہ کہ مراد وہ اثرہے جو کثرت سجدہ سے پیشانیوں پر ظاہر ہوتا ہے۔)

انوارالتنزیل میں ہے:

"یریدالسمۃالتی تحدث فی جباھھم من کثرۃ السجود"

(یعنی وہ داغ مرادہے جو انکی پیشانیوں میں کثرت سجدہ سے ہو۔)

رغائب القرآن میں ہے:

"یجوزان تکون العلامۃ امدامحسوساً وکان کل من علی بن حسین زین العابدین وعلی بن عبداللہ یقال لہ ذوالثفنات لان کثرۃ سجودھمااحدثت فی مواضع السجود منھمااشباہ ثفنات البعیہ والذی جاء فی الحدیث لاتعلبوا صورکم ای لاتخذشوھاوعن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھماان رای رجلااثر فی وجھہ السجود فقال ان صورتک انفک ووجھک فلاتعلب وجھک ولاتسن صورتک محمول علی التعمدریاءوسمعۃویجوزان یکون امرامعنویامن البھاءوالنور"۔

(یعنی یہ جو علامت سجدہ کہ آیت میں ذکر فرمائی جائزہے کہ امر محسوس ہو۔ امام علی بن حسین زین العابدین وحضرت علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھم دونوں کو گھٹے والے کہاجاتا کہ کثرت سجدہ سے دونوں صاحبوں کی پیشانی وغیرہ مواضع سجود پر گھٹے پڑ گئے تھے اوروہ جو حدیث میں کہ اپنی صورتیں داغی نہ کرواور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے ہے کہ "انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے چہرے (یعنی ناک) پر سجدے کانشان ہوگیا تھااس سے فرمایا:

تیرے ناک اور منہ تیری صورت میں سے ہیں تواپنا چہرہ داغی نہ کر اوراپنی صورت عیبی نہ بنا،، یہ اس پر محمول ہے کہ دکھاوے کیلئے قصدا گھٹی ڈالے اور جائزہے کہ وہ علامت امرِ معنوی ہو یعنی صفاونورانیت۔)

کشاف میں ہے:

"المراد بها السمة التی تحدث فی جبھة السجاد من کثرة السجود و قوله تعالیٰ من اثر السجود یفسرها ای من التاثیر الذی یؤثره السجود و کان کل من العلیین علی بن الحسین زین العابدین و علی بن عبداللہ بن عباس ابی الاملاک یقال له و الثفنات لان کثرة سجودهما احدثت فی مواقعه منهما اشباه ثفنات البعیر و کذا عن سعید بن جبیر هی اسمة فی الوجه فان قلت فقد جاء عن النبی صلیٰ اللہ تعالیٰ علیه و سلم لاتعلبو اصورکم و عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما انه رای رجلا قد اثر فی وجهه السجود فقال ان صورة وجهک انفک فلاتعلب وجهک ولاتشن صورتک قلت ذالک اذا اعتمد بجهته علی الارض لتحدث فیه تلک السمته و ذالک ریاء نفاق یستعاذ باللہ منه و نحن فیما حدث فی جبھة السجاد الذی لایسجد الا خالصاً لوجه اللہ تعالیٰ و عن بعض المتقدمین کنا نصلی فلایریٰ بین اعینناشئی و نری احدنا الاٰن یصلی فیری بین عینیه رکبة البعیر فماندری اثقلت الارؤس ام خشنت الارض و انما اراد بذلک من تعمد ذلک للنفاق"۔

(یعنی اس نشانی سے داغ مراد ہے کہ کثیر السجدہ شخص کی پیشانی میں کثرت سجود سے پیدا ہوتا ہے اور وہ جو فرمایا کہ **"سجدے کے اثر سے،،** یہ اس مراد کو واضح کرتا ہے یعنی اس تاثیر سے جو سجدہ سے پیدا ہوتی ہے اور دونوں علی امام علی بن حسین زین العابدین و حضرت علی بن عبد اللہ بن عباس پدرِ خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنھم گھٹے والے کہلاتے کہ کثرت سجود سے ان کی پیشانی وغیرہ مواضعِ سجود پر گھٹے پڑ گئے تھے اور یونہی امام سعید بن جبیر سے اسکی تفسیر مروی ہے کہ **"وہ چہرہ پر نشان ہے"**۔ اب اگر تو کہے کہ رسول اللہ صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تو حدیث یہ آئی ہے کہ **"اپنی صورتیں داغی نہ کرو"** اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ "انہوں نے ایک شخص کے چہرے پر داغِ سجدہ دیکھ کر فرمایا:

تیرے چہرے میں سے ہی تیری ناک ہے تو اپنا چہرہ داغی نہ کر اور اپنی صورت نہ بگاڑ" میں کہوں گا کہ یہ اس کے بارے میں ہے جو زمین پر پیشانی زور سے گھسیٹے تاکہ یہ داغ پیدا ہو جائے یہ ریاء و نفاق ہے کہ اس سے اللہ عزوجل کی پناہ مانگی جاتی ہے اور ہمارا کلام اس نشان میں ہے جو اس کثیر السجود کے چہرے میں خود پیدا ہوتا ہے اور وہ خالص اللہ عزوجل ہی کیلئے سجدہ کرتا ہے اور بعض سلف نے کہا ہم نماز پڑھتے تو ہمارے ماتھوں پر کچھ نشان نہ ہوتا پس اب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص نماز پڑھتا ہے تو اسکے ماتھے پر گھٹا ہوتا ہے۔ اور اس سے مراد وہ شخص ہے جو جان بوجھ کر نفاق کی وجہ سے گھٹا بنائے۔)

تفسیر علامہ ابوالسعود آفندی میں ہے:

"(سیماهم) ای سمتهم (فی وجوههم) ای جباههم (من اثر السجود) ای من التاثیر الذی یؤثره کثرة السجود و ما روی من قوله صلیٰ اللہ تعالیٰ علیه و سلم لاتعلبو اصورک ای لاتسموها انما هو فیما اذا اعتمد بجبهته علی الارض لیحدث فیها تلک السمة و ذلک محض ریاء و نفاق و الکلام فیما حدث فی جبهة السجاد الذی

لایسجد الاخالصا لوجه اللہ عزوجل وکان الامام زین العابدین وعلی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھم یقال لھاذوالثفنات لمااحدثت کثرۃ سجودھمافی مواقعہ منھمااشباہ شننات البعیر قال قاتلھم دیار علی والحسین وجعفرہ وحمزۃ والسجاد ذی الثفنات"۔(اس عبارت کا خلاصہ وہی ہے جو مذکورہ عبارتِ تفسیرِ کشاف کا ہے۔)

نہایہ و مجمع البحار میں ہے:

"حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما انہ رای رجلابانفہ اثر السجود وقال لاتعلب صورتک یقال علیہ اذا وسمہ المعنیٰ لاتؤثر فیھابشدۃ اتکائک علی انفک فی السجود"۔

(یعنی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے ایک شخص کی ناک پر سجدہ کا داغ دیکھا فرمایا: اپنی صورت داغی نہ کر"یعنی سجدے میں ناک پر اتنازور نہ دے کہ داغ پڑ جائے۔)

ناظر عین الغریبین و مجمع بحارالانوار میں ہے:

"ای لاتشینن صورتک بشدۃ انتحائک علی انفک بالجملۃ"۔

(ترجمہ: حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما کے یہ معنی ہیں کہ ناک پر بشدت زور ڈال کر اپنی صورت نہ بگاڑ۔)

مزید امام اہلسنت علیہ الرحمہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جو اس میں شکوک وشبہات کا شکار ہے:

زید کا قول باطل محض ہے اورامام زین العابدین وحضرت علی بن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے مبارک چہروں پر یہ نشان ہونااس کے قول کواور بھی مردود کررہاہے اورایک جماعت علماء کے نزدیک آیہ کریمہ میں یہ مراد ہوناجس سے ظاہر کہ صحابہ کرام کے بھی یہ نشان تھا اور یہ کہ اللہ عزوجل نے اس کی تعریف فرمائی اب تو قولِ زید شناعت کی کوئی حد نہیں رکھے گا۔

مزید فرماتے ہیں: امید ہے کہ قبر میں ملائکہ کیلئے اس کے ایمان ونماز کی نشانی ہواورروز قیامت یہ نشان آفتاب سے زیادہ نورانی ہو جبکہ عقیدہ مطابقِ اہلسنت وجماعت صحیح وحقانی ہوورنہ بددین گمراہ کی کسی عبادت پر نظر نہیں ہوتی جیسا کہ ابن ماجہ وغیرہ کی احادیث میں نبی صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے یہی وہ دھبے ہیں جسے خارجیوں کی علامت کہا گیا۔ بالجملہ مذھب کا دھبہ مذموم اور سنی (صحیح العقیدہ) میں دونوں احتمال ہیں،ریاء ہو تو مذموم ورنہ محمود۔اور کسی سنی پر ریاء کی تہمت تراش لینااس سے زیادہ مذموم ومردود کہ بدگمانی سے بڑھ کر کوئی (بری) بات نہیں قالہ سیدنا رسول اللہ صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاوی افریقہ، صفحہ 57 تا62، مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد)

الجواب صحیح | واللہ تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ أتم و أحکم
أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري | کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

5 جمادی الاولیٰ 1441ھ 1 جنوری 2020

دورانِ نماز رومال سے ناک صاف کرنا
اور ماسک پہن کرنا نماز پڑھنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ نماز کے دوران جیب سے رومال نکال کر چند بار ناک صاف کرنا کیسا ہے؟ کیا اس سے نماز ٹوٹ جائے گی؟ کیا مسجد کو آلودگی سے بچانے کیلئے دوران نماز منہ پر ماسک پہن سکتے ہیں؟ اور اگر اس شخص کو اس مسئلے کا علم نہ ہو تو شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا و توجروا

سائل: محمد نعیم اللہ صدیقی، سرگودھا، پاکستان

الجواب

سائل کا یہ کہنا کہ "جیب سے چند بار رمال نکال کر ناک صاف کرنا" اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ نمازی نے رمال جیب سے نکال کر ناک صاف کیا اور دوبارہ جیب میں ڈال لیا اور یہی عمل چند بار دوہرایا اس سے دور سے دیکھنے والے شخص کو غالب گمان یہی ہو گا کہ یہ نماز میں نہیں بلکہ ابھی نماز کی تیاری کر رہا ہے تو یہ عملِ کثیر ہے اور عمل کثیر اگرچہ ایک ہی بار ہو بالاتفاق نماز توڑ دیتا ہے لہذا صورت مسئولہ میں نماز ٹوٹ گئی۔ اور مسجد کو آلودگی سے بچانے کیلئے نیچے کپڑا بچھا کر نماز ادا کرلی جائے، یا چادر وغیرہ گھما کر اس طرح اوڑھ لے کہ جس سے منہ یا ناک نہ چھپے تا کہ بوقت ضرورت عملِ قلیل کے ذریعے اس سے ناک وغیرہ صاف کرلے۔ دوران نماز منہ پر ماسک نہیں پہن سکتے کہ منہ اور ناک یا ان دونوں میں سے کسی کو چھپا کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی و گناہ ہے۔ اور احکامِ شرعیہ میں نہ جاننے کا عذر ہرگز قابل قبول نہیں کہ ہر مسلمان پر ان مسائل کا سیکھنا لازم ہے۔ اب اسکی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

عمل کثیر کسے کہتے ہیں اس میں اختلاف ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ نمازی کا دوران نماز ایسا عمل کرنا جسے دور سے دیکھنے والا شخص یہ سمجھے کہ یہ نماز میں نہیں ہے اور وہ عمل نہ نماز کے افعال سے ہو اور نہ ہی نماز کی اصلاح کیلئے۔

علامہ علاؤالدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی 1088ھ) فقہ حنفی کی مشہور و معتمد کتاب در مختار میں فرماتے ہیں:

"(و)يفسدها(كل عمل كثير)ليس من اعمالها ولا لاصلاحها،وفيه اقوال خمسة،اصحها(مالايشک)بسببه(الناظر)من بعيد(فی فاعله انه ليس فيها)وان شک انه فيها ام لافقليل"

یعنی عمل کثیر کہ نہ اعمالِ نماز سے ہو نہ نماز کی اصلاح کیلئے کیا گیا ہو، نماز فاسد کر دیتا ہے، عملِ قلیل مفسد نہیں۔ جس کام کے کرنے والے کو دور سے دیکھ کر اس کے نماز میں نہ ہونے کا شک نہ رہے بلکہ گمان غالب ہو کہ نماز میں نہیں تو وہ عملِ کثیر ہے اور اگر دور سے دیکھنے والے کو شبہ و شک ہو کہ نماز میں ہے یا نہیں، تو عملِ قلیل ہے۔

(در مختار مع رد المحتار، جلد 2، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلوۃ وما یکرہ فیہا صفحہ 464،465 مطبوعہ، لاہور)

وقارِ ملت **مفتی محمد وقارالدین قادری رضوی** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی طرح کے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

لہٰذا صورت مسئولہ میں جیب سے رمال نکالنا اور پھر جیب میں ڈالنا اگرچہ ایک ہی مرتبہ ہو ایسا عمل ہے کہ جسے دور سے دیکھنے والا اسے نمازی کا فعل قرار نہیں دے گا تو اس کی نماز ٹوٹ گئی۔ اور احکام شرعیہ میں نہ جاننے کا عذر قابل قبول نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ عبادات کی صحت کا خیال رکھے، ان کے مسائل سیکھے اور عبادت درست طریقہ پر کرے۔ (وقار الفتاوی، جلد، 2، کتاب الصلاۃ، صفحہ 72، بزم وقار الدین: کراچی)

صدر الشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں:

"نماز میں ناک سے پانی بہا اس کو پونچھ لینا، زمین پر گرنے سے بہتر ہے اور اگر مسجد میں ہے تو ضرور ہے"۔

(بہار شریعت، کتاب الصلاۃ، مکروہات کا بیان، جلد 1، حصہ، 3، صفحہ 631، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

ابو داؤد شریف میں حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا:

"ان رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نہی عن السدل فی الصلاۃ، وان یغطی الرجل فاہ"

ترجمہ: بے شک رسول اللہ ﷺ نے نماز میں سدل سے منع فرمایا ہے، اور اس سے بھی کہ کوئی شخص منہ ڈھانپ کر نماز پڑھے۔ (ابو داؤد شریف، جلد 1، صفحہ 104،103، باب ماجاء فی السدل فی الصلاۃ، حدیث 643 مطبوعہ: لاہور)

کتاب الآثار لامام محمد رحمۃ اللہ علیہ میں ہے:

" قال الإمام محمد الشيباني عن أبي حنيفة عن حماد عن إبراهيم لا بأس بأن يغطي الرجل رأسه في الصلاة ما لم يغط فاه ويكره أن يغطي فاه، قال محمد: وبه نأخذ ونكره أيضًا أن يغطي أنفه وهو قول أبي حنيفة رحمه الله، قال أبو الوفا الأفغاني: أخرج الإمام أبو يوسف في آثاره عن أبي حنيفة عن حماد عن إبراهيم أنه كان يكره أن يغطي الرجل فاه وهو في الصلاة"

ترجمہ: امام حماد نے فرمایا کہ "نماز میں اپنے سر کو ڈھانپنے میں کچھ حرج نہیں البتہ منہ نہ چھپائے کہ منہ چھپانا مکروہ ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں اور ہم ناک چھپانے کو بھی مکروہ سمجھتے ہیں اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور ابو الوفاء افغانی نے فرمایا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آثار میں امام ابو حنیفہ سے انہوں نے حماد اور انہوں نے ابراہیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ مرد کا بحالت نماز اپنے منہ کو چھپانا مکروہ ہے۔

(کتاب الآثار مع حاشیۃ: جلد 1، صفحہ 416،415، باب القھقھۃ في الصلاۃ وما یکرہ فیھا، ط: المجلس العلمي، غجرات)

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتاوی شامی میں فرماتے ہیں:

"(والتلثم) وھو تغطیۃ الانف والفم فی الصلاۃ۔۔۔ انھا تحریمیۃ"

ترجمہ: تلثم یعنی منہ اور ناک نماز میں چھپانا مکروہ تحریمی ہے۔

(ردالمحتار، جلد 2، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیھا، صفحہ 511، مطبوعہ، لاہور)

صدر الشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی نماز کے مکروہات تحریمہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یونہی ناک اور منہ کو چھپانا،، (بہار شریعت، جلد 1، حصہ 3، مکروہات کا بیان، صفحہ 626، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

الجواب صحیح | واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري | کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

5 جمادی الاولیٰ 1441ھ 1 جنوری 2020

چادر میں ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ چادر کے اندر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا کیسا؟

سائل: محمد آصف چشتی (پاکستان)

الجواب

نماز کے دوران دونوں ہاتھ چادر کے اندر اس طرح کر لینا کہ رکوع و سجود اور دیگر ارکان کی ادائیگی کے وقت آسانی سے نکالے جا سکیں اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ اس طرح سختی کیساتھ جسم پر لپیٹ لینا کہ ہاتھ نکالنے کی کوئی جگہ باقی نہ رہے جس وجہ سے خطرے یا ضرورت کے وقت نکالنے مشکل ہوں دورانِ نماز اور اس کے علاوہ بھی مکروہ تنزیہی ہے۔

حضرت سیدناوائل بن حُجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"انہ رای النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رفع یدیہ حین دخل فی الصلاۃ کبر وصف ھمام حیال اذنیہ ثم التحف بثوبہ ثم وضع یدیہ الیمنیٰ علی الیسرٰی فلما اراد ان یرکع اخرج یدیہ من الثوب.... الخ"

ترجمہ: میں نے حضورِاقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز شروع کی تو تکبیر کہی، اور ہمام نے بیان کیا کہ ہاتھوں کو کانوں تک اٹھایا، پھر ہاتھ کپڑے میں ڈھک لئے، پھر دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا، پھر جب رکوع کرنا چاہا تو کپڑے سے ہاتھ نکالے"۔

(صحیح مسلم، جلد1، کتاب الصلوۃ، باب وضع یدہ الیمنی علی الیسرٰی....الخ، حدیث:896، صفحہ 210،209، مطبوعہ لاہور)

حکیم الامت **مفتی احمد یار خان نعیمی** علیہ الرحمہ اس حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں:

"چونکہ سردی زیادہ تھی اس لئے ہاتھ (کپڑے میں) لپیٹ لئے۔ معلوم ہوا نماز میں ہاتھ کھولنا ضروری نہیں، چادر وغیرہ میں ہاتھ لپیٹ کر یا ڈھک کر بھی (نماز) جائز ہے۔

(مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح، جلد2، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، الفصل الاول، صفحہ 27، قادری پبلشرز، لاہور)

نورالایضاح مع مراقی الفلاح میں ہے:

"(و) یکرہ (الاندراج فیہ) ای الثوب (بحیث لا) یدع منفذاً (یخرج یدیہ) منہ وھی الاشتمالۃ الصماء"

یعنی کپڑے میں اس طرح داخل ہونا کہ ہاتھ نکالنے کی جگہ نہ چھوڑے مکروہ ہے اور یہی اشتمالۃ الصماء ہے۔

(نورالایضاح مع مراقی الفلاح، فصل فی مکروہات الصلاۃ، صفحہ 180، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ فتاوی شامی میں فرماتے ہیں:

"(یکرہ اشتمال الصماء) لنھیہ علیہ الصلوۃ والسلام عنھا وھی ان یاخذبثوبہ فیخلل بہ جسدہ کلہ من راسہ الی قدمہ ولا یرفع جانبا یخرج منہ سمی بہ لعدم منفذ یخرج منہ یدہ کالصخرۃ الصماء ۔۔۔۔۔ وظاھر التعلیل بالنھی ان الکراھۃ تحریمیۃ کمامر فی نظائرہ"

یعنی اشتمالِ صماء مکروہ ہے کہ نبی کریم صلیٰ اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ اشتمالِ صماء یہ ہے کہ ایک کپڑے کیساتھ سر سے پاؤں تک اپنے پورے جسم کو اس طرح لپیٹ لینا کہ ہاتھ باہر نکالنے کی کوئی جگہ نہ چھوڑے اور اس کو اشتمال صماء کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ہاتھ باہر نکالنے کی کوئی جگہ باقی نہیں رہتی ۔۔۔ نہی کیساتھ علت کو ذکر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔

(ردالمحتار، جلد2، کتاب الصلاۃ، مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیھا، صفحہ 511، مطبوعہ، لاہور)

اور بہار شریعت میں فرمایا:

"کپڑے میں اس طرح لپٹ کر نماز پڑھنا کہ ہاتھ باہر نہ ہوں مکروہ تحریمی ہے"

ان تمام عبارات سے مراد اس طرح کپڑے میں لپٹ جانا ہے کہ بوقت ضرورت ہاتھ نکالنا مشکل ہوں۔ یہ نماز اور علاوہ نماز دونوں صورتوں میں منع ہے جیسا کہ اس سے متصل ہی صدر الشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں:

"علاوہ نماز کے بھی بے ضرورت اس طرح لپٹنا نہ چاہئے اور خطرہ کی جگہ سخت ممنوع ہے"۔

(بہار شریعت، جلد 1، حصہ 3، مکروہات کا بیان، صفحہ 626، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

صحیح یہ ہے کہ اس طرح لپٹ جانا بھی مکروہ تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے جیسا کہ فتاوٰی شامی کی متذکرہ بالا عبارت کے تحت امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں:

"اقول: الظاھر ان النھی ارشادی حذرا عن عدو من انسان او حیوان فلا یفید التحریم،،

ترجمہ: اقول (میں کہتا ہوں) انسان، حیوان یا دشمنوں سے بچانے کیلئے نہی ارشادی ہے تو یہ مکروہ تحریمی ہونے کا فائدہ نہ دے گی۔ (جد الممتار علی رد المحتار، جلد 3، مکروہات الصلاۃ، صفحہ 418، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

الجواب صحیح

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري

و اللہ تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ أتم و أحکم

کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

12 جمادی الاولیٰ 1441ھ 8 جنوری 2020

عورتوں کا مزارات پر جانا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ عورتوں کا مزارات پر جانا کیسا؟ کیا عورت, عورت کے مزار پر جا سکتی ہے؟

سائل: محمد ذیشان (لاہور، پاکستان)

الجواب

ہر طرف فتنوں کا دور دورہ ہے اور عورتوں کی عزت کہیں بھی محفوظ نظر نہیں آتی اگرچہ عورت خود نیک و پارسا اور باپردہ ہی کیوں نہ ہو لیکن فساق وفجار و بدکردار لوگ عورتوں کی عزت و ناموس پر ڈاکہ ڈالنے کیلئے ہر دم تیار نظر آتے ہیں اور عورتوں میں بھی طرح طرح کی خرافات نے جنم لیا جیسے بے پردگی و بے حیائی اور مردوں کیساتھ اختلاط وغیرہ، اسی وجہ

سے زمانہ صحابہ وتابعین سے ہی عورتوں کو مساجد کی حاضری سے منع کر دیا گیالہذا انہی وجوہات کے پیش نظر علماء امت نے انہیں مزارات اولیاء کی حاضری سے بھی منع فرمایاخواہ وہ مزار کسی برگزیدہ خاتون کا ہو۔البتہ مزار اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر حاضری دینا بالکل جائز بلکہ قریب بہ واجب ہے لہذا عورتوں کو اس بارگاہ اقدس میں حاضری سے منع نہیں کیاجائے گا بلکہ یہاں کے آداب کی تعلیم دی جائے گی یا اگر قبر گھر میں ہی ہو یادوران سفر راستے میں آجائے توزیارت کرنے میں حرج نہیں جبکہ آہ وبکاء اور غیر شرعی امور سے بچ کر ہو ورنہ حرام وگناہ۔اب اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابی داؤد میں ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارشاد اپنے زمانہ میں تھا:

"لو ادرک رسول اللہ صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ و سلم ما احدث النساء لمنعھن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل"

یعنی اگر نبی صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے جو باتیں عورتوں نے اب پیدا کی ہیں توضرورانہیں مسجد سے منع فرمادیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں منع کر دی گئیں۔ (صحیح مسلم، جلد1، باب خروج النساء الی المساجد، صفحہ 223، مطبوعہ لاہور)

اس حدیث مبارکہ کے تحت امام نووی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"ما احدث النساء لمنعھن المسجد یعنی من الزینۃ و الطیب و حسن الثیاب و نحوھا"

ترجمہ:جو باتیں عورتوں نے اب پیدا کرلی ہیں توضرورانہیں مسجد سے منع فرمادیتے یعنی زیب وزینت،خوشبوئیں لگانااوراچھے اچھے کپڑے پہننا وغیرہ۔ (حاشیہ صحیح مسلم، جلد1، باب خروج النساء الی المساجد، صفحہ 223، مطبوعہ لاہور)

عنایہ امام اکمل الدین بابرتی میں ہے:

"قد نھی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ النساء عن الخروج الی المساجد فشکون الی عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا فقالت لو علم النبی صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ و سلم ما علم عمر ما اذن لکن فی الخروج"

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں کو مسجد جانے سے روک دیا،وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس شکایت لے کر گئیں،انہوں نے فرمایا:اگر نبی صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ دیکھتے جو حضرت عمر نے دیکھاتووہ بھی تمہیں مسجد جانے کی اجازت نہ دیتے۔" (عنایہ علی ھامش فتح القدیر، جلد1، صفحہ 317 باب الامامۃ، مطبوعہ سکھر)

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے:

و کان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما یقوم یحصب النساء یوم الجمعۃ یخرجھن من المسجد"

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما جمعہ کے دن کھڑے ہو کر کنکریاں مار کر عورتوں کو مسجد سے نکالتے۔

(عمدۃ القاری شرح بخاری، باب خروج النساء الی المساجد، جلد6، صفحہ 157، بیروت)

جب ان خیر کے زمانوں اُن عظیم فیوض وبرکات کے وقتوں میں عورتیں منع کر دی گئیں، اور کاہے سے؟ حضورِ مساجد و شرکتِ جماعت سے، حالانکہ دین متین میں ان دونوں کی شدید تاکید ہے۔ تو کیا ان ازمنہ شرور میں ان قلیل یا موہوم فیوض کے حیلے سے عورتوں کو اجازت دی جائے گی، وہ بھی کاہے کی؟ زیارت قبور کو جانے کی، جو شرعاً مؤکد نہیں۔ اور خصوصاً ان میلوں ٹھیلوں میں جو خدا ناترسوں نے مزارات کرام پر نکال رکھے ہیں، یہ کس قدر شریعت مطہرہ سے منافقت ہے۔۔۔ بالخصوص اب کہ قطعاً فساد غالب اور صلاح نادر ہے۔

(فتاوی رضویہ، جلد، صفحہ 548، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

"لاینبغی للنساءان یخرجھن فی الجنازة لان النبی صلیٰ اللہ تعالیٰ علیه وسلم نهاهن عن ذلک وقال انصرفن مازورات غیر ماجورات"

یعنی عورتوں کو جنازہ میں نہ جانا چاہئے اس لئے کہ نبی صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کیلئے اس سے ممانعت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اگر جائیں تو ثواب سے خالی گناہ سے بھاری ہو کر پلٹیں۔

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اتباع جنازہ کہ فرض کفایہ ہے جب اس کیلئے ان کا خروج ناجائز ہوا تو زیارت قبور کہ صرف مستحب ہے اس کیلئے کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ (فتاوی رضویہ، جلد9، کتاب الجنائز، صفحہ 563، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

امام ابو عمر سے ہے:

"ولقد کره اکثر العلماء خروجھن الی الصلوات فکیف الی المقابر، وماظن سقوط فرض الجمعة علیھن الا دلیلاً علی امساکھن عن الخروج فیماعداها"

یعنی اکثر علماء نے نمازوں کیلئے عورتوں کا جانا مکروہ رکھا ہے تو قبرستانوں میں جانے کا حکم کیا ہو گا؟ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ ان سے فرض جمعہ ساقط ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں ان کے ماسوا سے بھی روکا جائے گا"۔

ردالمحتار اور منحۃ الخالق میں ہے:

"ان کان ذلک لتجدید الحزن والبکاء والندب علیٰ ماجرت به عادتھن فلایجوز وعلیه حمل حدیث لعن اللہ زائرات القبور"

یعنی اگر یہ زیارت غم تازہ کرنے یارونے چلانے کیلئے ہو جیسا کہ عورتوں کی عادت ہے تو ناجائز ہے اور اسی پر یہ حدیث محمول ہے "خدا کی لعنت ان عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کو جائیں۔

(ردالمحتار، جلد 1، مطلب فی زیارۃ القبور، صفحہ 604، مطبوعہ لاہور)

غنیہ نے امام شعبی سے جو نقل کیا وہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

"سئل القاضی عن جواز خروج النساء الی المقابر قال لایسئل عن الجواز و الفساد فی مثل ھذا و انما یسئل عن مقدار مایلحقھا من اللعن فیھا واعلم انھا کلماقصدت الخروج کانت لعنۃ اللہ وملائکتہ واذاخرجت تحفھا الشیطین من کل جانب و اذااتت القبور یلعنھا روح المیت و اذا رجعت کانت فی لعنۃ اللہ"

ترجمہ: امام قاضی سے استفتاء ہوا کہ عورتوں کا قبرستان جانا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا: ایسی جگہ جواز وعدم جواز نہیں پوچھتے، یہ پوچھو کہ اس میں عورت پر کتنی لعنت پڑتی ہے، جب گھر سے قبرستان کی طرف چلنے کا ارادہ کرتی ہے، اللہ اور فرشتوں کی لعنت میں ہوتی ہے، جب گھر سے باہر نکلتی ہے ہر طرف سے شیطان اسے گھیر لیتے ہیں، جب قبر تک پہنچتی ہے میت کی روح اس پر لعنت بھیجتی ہے، جب واپس آتی ہے اللہ کی لعنت میں ہوتی ہے۔

(غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی، فصل فی الجنائز، صفحہ 594، مطبوعہ لاہور)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں:

اقول: قبور اقرباء پر خصوصاً بحالِ قرب عہدِ ممات تجدید حزن لازمِ نساء ہے اور مزارات اولیاء پر حاضری میں احدی الشناعتین کا اندیشہ یا ترکِ ادب یا ادب میں افراط ناجائز، تو سبیل اطلاق منع ہے۔ ولہذا غنیہ میں کراہت پر جزم فرمایا البتہ حاضری وخاکبوسی آستان عرشِ نشانِ سرکار اعظم صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعظم المندوبات بلکہ قریب واجبات ہے۔ اس سے نہ روکیں گے اور تعدیل ادب سکھائیں گے۔ (فتاوی رضویہ، جلد، صفحہ 538، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

امام اہلسنت علیہ الرحمہ مزید فرماتے ہیں:

"مزارات اولیاء یا دیگر قبور کی زیارت کو عورتوں کا جانا باتباع غنیہ علامہ محقق ابراہیم حلبی ہرگز پسند نہیں کرتا، خصوصاً اس طوفانِ بے تمیزی رقص ومزامیر وسرور میں جو آج کل جہال نے اعراس طیبہ میں برپا کررکھا ہے اس کی شرکت تو میں عوام رِجال کو بھی پسند نہیں رکھتا نہ کہ وہ جن کو انجشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حُدی خوانی بالحان خوش پر عورتوں کے سامنے ممانعت فرما کر انہیں نازک شیشیاں فرمایا" (فتاوی رضویہ، جلد 9، صفحہ 542، 541، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

پھر اس شُبہ کہ "عورتوں کامزارات پرحاضری کامقصد فیض کاحصول ہے توکیونکر منع ہو سکتاہے؟"کاجواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: درمختار میں ہے:

"یکرہ حضورھن الجماعۃوالجمعۃوعیدووعظ مطلقاًولوعجوزالیلاًعلیٰ المذھب المفتی بہ لفساد الزمان"

ترجمہ: جماعت میں عورتوں کی حاضری اگرچہ جمعہ، عید اور وعظ کیلئے ہو مطلقاً مکروہ ہے، اگرچہ بوڑھی عورت رات کو جائے، یہی وہ مذہب ہے جس پر فسادِ زمانہ کے باعث فتوٰی ہے"

اسی طرح اور کتب معتمدہ میں ہے۔ آئمہ دین نے جماعت جمعہ وعیدین درکناروعظ کی حاضری سے بھی مطلقاً منع فرمادیااگرچہ بڑھیاہو، اگرچہ رات ہو، وعظ سے مقصود توصرف اخذفیض وسماع امر بالمعروف ونہی عن المنکرو تصحیح عقائدواعمال ہے کہ توجہ مشیخت سے ہزار درجہ اہم واعظم اوراس کی اصل مقدم، اس کافیض بے توجہ مشیخت بھی عظیم مفیدودافع ہرضرر شدیدہے، اوریہ نہ ہوتوتوجہ مشیخت کچھ مفیدنہیں بلکہ ضررسے قریب نفع سے بعیدہے۔(ان عظیم الشان امورسے یقیناً فیض کاحصول ہے جب ان سے منع کر دیاگیاتوزیارت قبورسے ممانعت کیونکرنہ ہوگی؟)

(فتاوی رضویہ، جلد، صفحہ 548، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

ہاں اگر قبر گھر میں ہویادوران سفر راستے میں آجائے توبغیر آہ وبکاء اور غیر شرعی امور سے بچتے ہوئے زیارت کر سکتی ہے۔ چنانچہ امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"تواگر قبر گھر میں ہویاعورت مثلاً حج یاسفر جائز کاگئی راہ میں کوئی قبر ملی اس کی زیارت کرلی بشرطیکہ جزع وفزع وتجدید حزن وبکاءونوحہ وافراط وتفریطِ ادب وغیرہامنکرات شرعیہ سے خالی ہو(توجائزہے)"۔

(فتاوی رضویہ، جلد9، کتاب الجنائز، صفحہ 562، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

صدرالشریعہ **مفتی محمدامجدعلی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں:

"اسلم یہ ہے کہ عورتیں مطلقاً منع کی جائیں کہ اپنوں کی قبور کی زیارت میں تووہی جزع وفزع ہےاور صالحین کی قبورپر یاتعظیم میں حد سے گزر جائیں گی یابے ادبی کریں گی کہ عورتوں میں یہ دونوں باتیں بکثرت پائی جاتی ہیں"۔

(بہار شریعت، جلد1، حصہ4، زیارت قبور کابیان، صفحہ 849، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

الجواب صحيح	**واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم**
أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري	**کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ**
	15 جمادی الاولی 1441ھ 11 جنوری 2020

ہیٹر کے سامنے نماز پڑھنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ ہیٹر کے سامنے نماز پڑھنا کیسا؟
زید کا کہنا ہے کہ ہیٹر سامنے ہونے کی صورت میں نماز نہیں ہوتی کہ مجوسی آگ کی عبادت کرتے ہیں، جبکہ بکر کہتا ہے کہ نمازی سامنے کیسی ہی آگ ہو نماز بغیر کسی کراہت کے ہو جاتی ہے اور بطور دلیل بخاری شریف کی روایت پیش کرتا ہے کہ حضور کے سامنے بحالت نماز جہنم پیش کی گئی، اگر آگ سامنے ہونے کی صورت میں نماز نہ ہوتی یا اس میں کسی قسم کی کراہت ہوتی تو حضور کے سامنے جہنم بحالت نماز کیوں پیش کی جاتی؟ جواب مدلل و مفصل عطا فرمائیں۔ بینوا و توجروا

سائل: عبد اللہ (پاکستان)

الجواب

ہیٹر کو حرارت حاصل کرنے کے لئے رکھا جاتا ہے اس کی عبادت مقصود نہیں ہوتی اس لئے ہیٹر سامنے ہونے کی صورت میں نماز ادا کرنا جائز ہے اس سے نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا جیسے چراغ، لالٹین یا شمع کے سامنے نماز پڑھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ان سے روشنی کا حصول مقصود ہوتا ہے نہ کہ عبادت کرنا تاہم اگر اسکو ایک طرف اس طرح رکھ دیا جائے کہ اس کی جانب سجدہ نہ ہو تو یہ بہتر ہے، البتہ بھڑکتی آگ اور دہکتے انگاروں والے چولہے یا تنور کے سامنے نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔

لہذا زید کا یہ کہنا غلط ہے کہ "ہیٹر سامنے ہونے کی صورت میں نماز نہیں ہوتی" کیونکہ اس میں مجوسیوں سے مشابہت نہیں کہ وہ بھڑکتی آگ کی عبادت کرتے ہیں جبکہ ہیٹر میں بھڑکتی آگ نہیں ہوتی اور اگر بھڑکتی آگ سامنے ہو تو یہ بھی زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہے اور مکروہ تنزیہی گناہ نہیں اور نماز بھی ہو جائے گی لیکن مکروہ تنزیہی سے بھی بچنا چاہیئے۔

اور بکر کا بخاری شریف کی حدیث سے استدلال کر کے کسی بھی طرح کی آگ سامنے ہونے کی صورت میں بلا کراہت نماز کو جائز ماننا بھی ہرگز درست نہیں کہ بخاری شریف کی حدیث مبارکہ میں جہنم کی آگ دکھائی گئی جو کہ دیگر افراد کو نظر نہ آئی بلکہ فقط حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھی کیونکہ وہ آگ حسی نہیں تھی اور نہ ہی اس کی عبادت کی جاتی ہے جبکہ مجوسی جو آگ جلاتے ہیں وہ حسی، سب کو نظر آتی اور عبادت کے لئے جلائی جاتی ہے لہذا عالمِ غیب کے احوال پر عالمِ شہادت کے معاملات کو قیاس کرنا درست نہیں۔ اب اسکی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

فتاوی قاضی خان میں ہے:

"**ویکرہ ان یصلی وبین یدیہ تنور او کانون فیہ نار موقودۃ لانہ یشبہ عبادۃ النار وان کان بین یدیہ سراج او قندیل لایکرہ لانہ لایشبہ عبادۃ النار**"

یعنی تنور یا ایسا چولہا، جس میں بھڑکتی آگ ہو، تو اس کے سامنے نماز پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ آگ کی عبادت کے مشابہ ہے اور اگر نمازی کے سامنے چراغ یا لالٹین ہو تو اس میں کراہت نہیں، کیونکہ یہ آگ کی عبادت کے مشابہ نہیں۔

(فتاوی قاضی خان، کتاب الصلاۃ، باب الحدث فی الصلاۃ وما یکرہ فیھا وما لا یکرہ، جلد 1، صفحہ 119، مطبوعہ: کوئٹہ)

فتاوی عالمگیری میں ہے:"

ومن توجہ فی صلاتہ إلی تنور فیہ نار تتوقد او کانون فیہ نار یکرہ، ولو توجہ الی قندیل والی سراج لم یکرہ ھکذا فی محیط السرخسی، وھو الاصح"

جو شخص تنور یا چولہا جس میں آگ جل رہی ہو اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو مکروہ ہے اور اگر لالٹین یا چراغ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو مکروہ نہیں۔

(فتاوی عالمگیری، جلد 1 صفحہ 108 کتاب الصلاۃ، الباب السادس فی الحدث فی الصلاۃ، الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوۃ وما لا یکرہ: کوئٹہ)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں:

"شمع یا چراغ یا قندیل یا لیمپ یا لالٹین یا فانوس نماز میں سامنے ہو تو کراہت نہیں، کہ ان کی عبادت نہیں ہوتی اور بھڑکتی آگ اور دہکتے انگاروں کا تنور یا بھٹی یا چولہا یا انگیٹھی سامنے ہوں تو مکروہ کہ مجوس ان کو پوجتے ہیں"۔

(فتاوی رضویہ، جلد 24، صفحہ 619، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

صدرالشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی بہار شریعت، نماز کے مکروہات تنزیہیہ میں عالمگیری کی مذکورہ بالا عبارت (ومن توجہ فی صلاتہ الی تنور۔۔۔۔الخ) خلاصۃً بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جلتی آگ نمازی کے آگے ہونا باعث کراہت ہے، شمع یا چراغ میں کراہت نہیں"

(بہار شریعت، جلد 1، حصہ 3، مکروہات کا بیان، صفحہ 636، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

بکر نے بخاری شریف کی جن احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے وہ احادیث مع شرح ملاحظہ فرمائیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

"**قال النبی صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرضت علی النار وانا اصلی**"

یعنی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ میرے سامنے جہنم لائی گئی۔

اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے:

"قال انخسف الشمس فصلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثم قال اریت النارفلم ارمنظرا کالیوم قط افظع"

ترجمہ: سورج گہن لگاتو رسول اللہ صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور فرمایا مجھے جہنم دکھائی گئی اتنا خوفناک منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

(صحیح بخاری، جلد1، صفحہ127،128، باب من صلی وقدامہ تنوراونااراوشئی۔۔۔حدیث52،51، مطبوعہ: لاہور)

ان دونوں احادیث مبارکہ کی شرح میں فقیہ اعظم ہند شارح بخاری **مفتی محمد شریف الحق امجدی** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اگر نمازی کے آگے معبودان باطلہ میں سے کچھ ہو تو نماز مکروہ ہے اگرچہ نیت خالص اللہ عزوجل کی (عبادت کی) ہو۔ بلکہ اگر معاذاللہ صدبار معاذاللہ معبود باطل کی نیت ہو تو نماز کی صحت تو الگ رہی سرے سے ایمان ہی رخصت۔ اور اس کراہت کی وجہ مشرکین کیساتھ مشابہت اور عوام کو غلط فہمی میں ڈالنا ہے۔

مزید ان احادیث کو دلیل بناکر ہر طرح کی آگ کے سامنے نماز پڑھنے کو بلا کراہت جائز سمجھنے والوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

اس حدیث سے۔۔۔ استدلال تام نہیں اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روبرو جہنم کا پیش کیا جانا خرقِ عادت کے طور پر عالمِ غیب کی بات تھی، صحابہ کرام نے کہاں دیکھا۔ عالمِ غیب کے جو احوال بطور خرق عادت ظاہر ہوں ان پر عالم شہادت کے احوال کا قیاس صحیح نہیں۔ مثلاً اسی واقعے میں لے لیجئے، نمازی کے آگے ایسی چیز ہونے سے نماز مکروہ ہوتی ہے جس سے دل بٹے یہ خود ان کو بھی تسلیم ہے۔ اور یہاں جنت اور دوزخ کے سامنے آنے سے حضور کا دل بٹا، ایک روایت میں ہے کہ حضور آگے بڑھے کہ جنت سے ایک خوشہ لے لوں پھر پیچھے ہٹے، نیز جنت میں جنتیوں کو اور جہنم میں جہنمیوں کو دیکھا، جہنم کی خوفناکی سے متاثر بھی ہوئے۔ اس کا بھی امکان قوی ہے کہ جنتیوں میں سے اور جہنمیوں میں سے کسی کا منہ حضور اقدس صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف رہا ہو۔ حالانکہ نمازی کا کسی مرد یا عورت کی طرف منہ کرنا مکروہ ہے۔ تو کیا ان عالمِ غیب کے احوال پر قیاس کرکے یہ حکم دینا درست ہوگا کہ نمازی کے آگے کچھ بھی ہو اس سے اس کا کتنا ہی دل بٹے، لوگ نمازی کی طرف منہ کئے ہوں نماز میں کوئی کراہت نہیں آئے گی؟

کچھ آگے فرماتے ہیں:

"جہنم کی آگ کسی کی معبود نہیں آتش پرست اپنی بھڑکائی ہوئی آگ کو پوجتے ہیں، جہنم کی آگ کو نہیں، جہنم مما یعبد میں داخل ہی نہیں۔" (نزہۃ القاری شرح صحیح بخاری، جلد2 صفحہ 149 تا 151، فرید بک سٹال: لاہور)

الجواب صحیح
أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري

واللہ تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ أتم و أحکم
کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ
19 جمادی الاولیٰ 1441ھ 15 جنوری 2020

نماز جنازہ کی تکرار کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ میت کا بھائی یا بھتیجا جنازہ پڑھ لے تو کیا میت کا بیٹا یا باپ دوبارہ جنازہ پڑھ سکتے ہیں؟ بینوا و توجروا

سائل: عبد الرحمن (پاکستان)

الجواب

جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ حق دار بادشاہِ اسلام، پھر حاکم شہر، پھر قاضی، پھر جمعہ کا امام، پھر محلے کی مسجد کا امام، پھر ولی ہے۔ موجودہ دور میں سلطنت اسلامیہ نہ ہونے کی وجہ سے بادشاہ اسلام، حاکم شہر اور قاضی نہیں ہیں لہذا یہ حق امام جمعہ اور امام محلہ کی طرف لوٹے گا جبکہ میت اپنی زندگی میں ان کے پیچھے نماز پڑھتا ہو کہ جب میت نے زندگی میں ان کو اپنا امام ہونا پسند کیا تو بعد وفات بھی یہ امامت کے زیادہ حق دار ہیں، اور اگر میت زندگی میں ان کے پیچھے نماز پڑھنے کو پسند نہیں کرتا تھا تو ان کو حقِ تقدم حاصل نہ ہوگا، اور مسجدِ محلہ کے امام کا ولی پر مقدم ہونا اس وقت مستحب ہے جبکہ وہ ولی سے افضل ہو ورنہ ولی کا مقدم ہونا بہتر ہے۔

لیکن یاد رہے! اگر جمعہ یا محلے کا امام ولی سے افضل ہو اور اس نے نماز پڑھا دی یا ولی سے افضل نہ ہونے کے باوجود نماز پڑھائی اور ولی نے اس کے پیچھے نماز پڑھ لی تو اب ولی سمیت کسی کو بھی جنازہ لوٹانے کا اختیار نہیں کہ نماز جنازہ میں تکرار جائز نہیں اور اگر امام مرتبہ میں ولی سے کم ہو یا میت زندگی میں اس کے پیچھے نماز پڑھنے کو ناپسند کرتا تھا اور اس نے بے اجازتِ ولی نماز پڑھا دی تو ولی کو نماز لوٹانے کا اختیار ہے اگرچہ قبر پر ہی کیوں نہ ہو۔

میت کا وَلی اَقرَب (سب سے قریبی رشتہ دار) باپ ہے، وہ نہ ہو تو بالغ بیٹا، وہ نہ ہو تو بھائی اور وہ بھی نہ ہو تو بھتیجا۔ اور امام کے بعد نماز جنازہ کا سب سے زیادہ حق دار ولی اقرب ہے اگر وہ موجود نہیں یا اتنا دور ہے کہ اس کا انتظار کرنے سے حرج ہوگا تو اس کے بعد جو سب سے قریبی رشتہ دار ہے وہ حق دار ہوگا اسی طرح بالترتیب حق حاصل ہوتا جائے گا۔

صورت مسئولہ میں اگر ایسے امامِ محلہ نے جو ولی سے افضل ہے یا میت زندگی میں اس کے پیچھے نماز پڑھا کرتا تھا اس نے نماز پڑھا دی خواہ ولی کی اجازت سے یا بغیر اجازت اور میت کا ولی اقرب موجود ہو یا نہ ہو یا ولی نے خود امامِ محلہ کی اقتدا میں نماز پڑھ لی تو ان تمام صورتوں میں ولی سمیت کسی کو بھی جنازہ دوبارہ پڑھنے کی اجازت نہیں کہ نماز جنازہ میں تکرار جائز نہیں۔

اور اگر امامِ محلہ نے نماز نہ پڑھائی بلکہ اولیاء میت میں سے ہی کسی نے پڑھائی اور میت کا ولی اقرب (اس سے زیادہ قریبی رشتہ دار) موجود تھا اور اس قریبی سے اجازت بھی نہ لی گئی اور نہ ہی اس نے اس کے پیچھے نماز پڑھی تو اس ولی اقرب اور جن لوگوں نے پہلے نماز نہیں پڑھی ان کو دوبارہ نماز پڑھنے کا اختیار ہے، اگر دفن کر دیا تو قبر پر پڑھ سکتے ہیں۔ اب اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

در مختار میں ہے:

"یقدم فی الصلاۃ علیہ السلطان او امیر المصر ثم القاضی ثم امام الحی ثم ولی فان صلی غیر الولی من لیس لہ حق التقدم علی الولی و لم یتابعہ الولی اعاد الولی و لو علیٰ قبرہ ان شاء لاجل حقہ لا لاسقاط الفرض و لذا قلنا لیس لمن صلی علیھا ان یعید مع الولی لان تکرارھا غیر مشروع و ان صلی من لہ حق التقدم کقاض او نائبہ او امام الحی او من لیس لہ حق التقدم و تابعہ الولی لا یعید۔"

ترجمہ: ولی پر نماز پڑھنے میں مقدم بادشاہ اسلام یا والی شہر ہے پھر قاضی پھر امام محلہ پھر ولی۔ اگر ولی کے علاوہ ایسے شخص نے جسے ولی پر تقدم کا حق حاصل نہیں، نماز جنازہ پڑھ لی اور ولی نے اس کی متابعت نہ کی تو ولی اگر چاہے تو دوبارہ پڑھ سکتا ہے خواہ قبر پر ہی پڑھے، اسے یہ اختیار اپنے حق کے سبب ہے، اس لئے نہیں کہ فرض جنازہ ادا نہ ہوا تھا، اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ پہلے جو پڑھ چکے تھے وہ ولی کیساتھ ہو کر دوبارہ نہیں پڑھ سکتے، اس لئے کہ جنازہ کی تکرار جائز نہیں، اور اگر پہلے ایسے شخص نے پڑھی جسے ولی پر تقدم کا حق حاصل ہے جیسے قاضی یا نائب قاضی یا امام محلہ یا ایسے شخص نے پڑھی جسے حق تقدم حاصل نہیں مگر ولی نے اس کی متابعت کر لی تھی تو دوبارہ نہیں پڑھ سکتا۔

(در مختار، باب صلوۃ الجنائز، جلد 3، صفحہ 139 تا 141، مطبوعہ: لاہور)

در مختار میں ہے:

"و تقدیم امام الحی مندوب فقط بشرط ان یکون افضل من الولی، و الا فالولی اولی کما فی المجتبی"

ترجمہ: امام محلہ کی تقدیم مستحب ہے بشرطیکہ ولی سے افضل ہو، ورنہ ولی بہتر ہے، جیسا کہ مجتبیٰ میں ہے۔

(در مختار، کتاب الجنائز، جلد 3، صفحہ 141، مطبوعہ: لاہور)

غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی میں امام محلہ کی وجہِ تقدیم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"واما امام الحی فتقدیمه مستحب لانه رضی به اماما حال حیاته فینبغی ان یصلی علیه بعدوفاته ولوعلم انه غیرراض به حال حیاته ینبغی ان لایستحب تقدیمه وفی فتاوی قاضی خان۔۔۔وحضرالاولیاء وامام الحی ینبغی للاولیاء ان یقدموا امام الحی"

ترجمہ: امام الحی یعنی محلے کے امام کا ولی پر مقدم ہونا مستحب ہے کیونکہ میت اس کی امامت پر اپنی زندگی میں راضی تھا تو اس کی وفات کے بعد بھی اس کا مقدم ہونا مناسب ہے، اور اگر معلوم ہو کہ زندگی میں اس کی امامت پر میت راضی نہ تھی تو اس کا ولی پر مقدم ہونا مستحب نہیں۔ ایسا ہی فتاوی قاضی خان میں ہے۔۔۔ اور اگر اولیاء میت اور امام الحی (محلے کا امام) دونوں بوقتِ جنازہ حاضر ہوں تو اولیاء میت کا امامِ محلہ کو مقدم کرنا مناسب ہے۔

(غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی، کتاب الجنائز، صفحہ 185)

صدرالشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں:

"نمازِ جنازہ میں امامت کا حق بادشاہ اسلام کو ہے، پھر قاضی، پھر امام جمعہ، پھر امام محلہ، پھر ولی کو، امام محلہ کا ولی پر تقدم بطور استحباب ہے اور یہ بھی اس وقت کہ ولی سے افضل ہو ورنہ ولی بہتر ہے۔"

(بہار شریعت، کتاب الجنائز، نماز جنازہ کون پڑھائے، جلد 1، حصہ 4، صفحہ 836، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں:

"جامع مسجد کا امام، اگر میت جمعہ وغیرہ اس کے پیچھے نہ پڑھتا ہو یا وہ علم و فضل میں میت سے زائد نہ ہو اسی طرح امام الحی یعنی مسجد محلہ کا امام (تو ولی کی اجازت کے بغیر ہرگز جنازہ نہیں پڑھا سکتے) ہاں! اگر میت ان کے پیچھے نماز پڑھا کرتا تھا اور یہ فضلِ دینی میں ولی سے زائد ہیں تو بے اذنِ ولی پڑھا سکتے ہیں۔۔۔ دونوں امام (جامع مسجد کا امام اور محلے کی مسجد کا امام) اور یہ والیان عام اگر نماز پڑھا دیں تو ولی کو حق اعادہ نہیں۔ باقی سب محتاجِ اذنِ ولی ہیں، اگر بے اذن پڑھائیں گے حق غیر میں دست اندازی کے مرتکب ہونگے مگر فرض کفایہ ادا ہو جائے گا۔ ولی نے اگر ان کی اقتداء کر لی فبہا کہ اذن ابتداء میں نہ تھا تو اب ہو گیا اور اگر اقتداء نہ کی تو اسے جائز ہے کہ دوبارہ پڑھے، اور جو پہلی جماعت میں شریک نہ ہو لئے تھے انہیں اس جماعت ولی میں شرکت کی اجازت ہے۔"

(فتاوی رضویہ، کتاب الجنائز، امام جنازہ کا بیان، جلد 9، صفحہ 175، 174، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"بادشاہ اسلام یا قاضی شرع یا امام حی (امام محلہ) نے نماز پڑھادی تو ولی کو اعادہ کا اختیار نہیں کہ وہ اس بات میں ولی سے مقدم ہیں۔" (فتاوی رضویہ، کتاب الجنائز، امام جنازہ کا بیان، جلد 9، صفحہ 183، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

صدر الشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ الرحمۃ القوی فرماتے ہیں:

"ولی کے سوا کسی ایسے نے نماز پڑھائی جو ولی پر مقدم نہ ہو اور ولی نے اسے اجازت بھی نہ دی تھی تو اگر ولی نماز میں شریک نہ ہوا تو نماز کا اعادہ کر سکتا ہے اور اگر مردہ دفن ہو گیا ہے تو قبر پر نماز پڑھ سکتا ہے اور اگر وہ ولی پر مقدم ہے جیسے بادشاہ و قاضی و امامِ محلہ کہ ولی سے افضل ہو تو اب ولی نماز کا اعادہ نہیں کر سکتا"

(بہار شریعت، کتاب الجنائز، باب: جنازہ کون پڑھائے؟ جلد 1، حصہ 4 صفحہ 838، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

بہار شریعت میں ہے:

"قرابت کی وجہ سے ولایت عصبہ بنفسہ کیلئے ہے۔۔۔اور یہاں بھی وہی ترتیب ملحوظ ہے جو وراثت میں معتبر ہے یعنی سب میں مقدم بیٹا، پھر پوتا، پھر پر پوتا اگرچہ کئی پشت کا فاصلہ ہو، یہ نہ ہوں تو باپ، پھر دادا، پھر پر دادا وغیرہم اصول اگرچہ کئی پشت اوپر کا ہو، پھر حقیقی بھائی، پھر سوتیلا بھائی، پھر حقیقی بھائی کا بیٹا، پھر سوتیلے بھائی کا بیٹا۔۔۔خلاصہ یہ کہ اس خاندان میں سب سے زیادہ قریب کا رشتہ دار جو مرد ہو، وہ ولی ہے اگر بیٹا نہ ہو تو جو حکم بیٹے کا ہے وہی پوتے کا ہے، وہ نہ ہو تو پرپوتے کا"

(بہار شریعت، کتاب النکاح، ولی کا بیان، جلد 1، حصہ 7، صفحہ 43، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

بہار شریعت میں ہے:

"ولی کیلئے عاقل بالغ ہونا شرط ہے" (بہار شریعت، حوالہ مذکورہ)

در مختار مع رد المحتار میں ہے:

"(ثم الولی) بترتیب عصوبة الانکاح, الا الاب فیقدم علیٰ الابن اتفاقاً الا ان یکون عالماو الاب جاھلافالابن اولی"

جنازے میں ترتیب ولایت وہی ہے جو نکاح میں ہے سوائے اس کے کہ نکاح میں بیٹا باپ پر مقدم ہوتا ہے جبکہ جنازے میں باپ بیٹے پر مقدم ہوگا، البتہ اگر بیٹا عالم اور باپ جاہل ہو تو بیٹے کا مقدم ہونا اولیٰ ہے۔

اس کے تحت شامی میں ہے:

(فیقدم علی الابن اتفاقا) وھو الاصح لان للاب فضیلةعلیه۔۔۔(الا ان یکون الخ) قال فی البحر؛ ولو کان الاب جاھلا و الابن عالماینبغی ان یقدم الابن"

جنازے میں باپ، بیٹے پر بالاتفاق مقدم ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ باپ کو بیٹے پر فضیلت حاصل ہے۔۔۔۔ سوائے اس کے کہ بیٹا عالم ہو، بحر میں فرمایا: اگر باپ جاہل اور بیٹا عالم ہو تو بیٹا مقدم ہو گا۔

(در مختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنائز، مطلب: تعظیم اولی الامر واجب، جلد 3، صفحہ 141، مطبوعہ: لاہور)

بہار شریعت میں ہے:

"(ولی اقرب کے موجود نہ ہونے یا) غائب ہونے سے مراد یہ ہے کہ اتنی دور ہے کہ اس کے آنے کے انتظار میں حرج ہو"

(بہار شریعت، کتاب الجنائز، باب: جنازہ کون پڑھائے؟ جلد 1، حصہ 4 صفحہ 836، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"وان صلی علیہ الولی لم یجز لاحد ان یصلی بعدہ"

اگر میت پر ولی نے نماز ادا کر لی تو اس کے بعد کسی کیلئے جنازہ پڑھنا جائز نہیں"

(فتاوی عالمگیری، کتاب الجنائز، الفصل الخامس فی الصلوۃ علی المیت، جلد 1، صفحہ 164، مطبوعہ: کوئٹہ)

در مختار میں ہے:

"لیس لمن صلی علیھا ان یعید مع الولی لان تکرارھا غیر مشروع"

یعنی جو پہلے پڑھ چکا وہ ولی کے ساتھ بھی اعادہ کا اختیار نہیں رکھتا کہ اس کی تکرار غیر مشروع (ناجائز) ہے۔

(در مختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنائز، جلد 3، صفحہ 145،144، مطبوعہ: لاہور)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں:

"نماز جنازہ کی تکرار ہمارے آئمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے نزدیک تو مطلقاً ناجائز و نامشروع ہے، مگر جب کہ اجنبی غیر احق نے بلا اذن و بلا متابعت ولی پڑھ لی ہو تو ولی اعادہ کر سکتا ہے"۔

(فتاوی رضویہ، جلد 9، صفحہ 270، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

مزید فرماتے ہیں:

"بعدِ صلوۃِ ولی پھر اعادہ نمازِ جنازہ کا اختیار نہیں۔۔۔۔ مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی میں ہے:

"ان ابابکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان مشغولاً بتسویۃ الامور وتسکین الفتنۃ فکانوا یصلون علیہ قبل حضورہ وکان الحق لہ لانہ ھو الخلیفۃ فلما فرغ صلیٰ علیہ ثم لم یصل احد بعدہ علیہ"۔

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ معاملات درست کرنے اور فتنہ فرو کرنے میں مشغول تھے لوگ ان کی آمد سے پہلے صلٰوۃ پڑھتے جاتے، اور (ولی اقرب ہونے کی وجہ سے) حق ان کا تھا کیونکہ وہ خلیفہ تھے، توجب فارغ ہوئے نماز پڑھی، پھر ان کے بعد کسی نے نماز نہ پڑھی۔"

(فتاوٰی رضویہ، کتاب الجنائز، تکرار نماز جنازہ، جلد9، صفحہ315، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

الجواب صحیح | واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم
أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري | کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

22 جمادی الاولیٰ 1441ھ 18 جنوری 2020

"تم مجھ پر طلاق ہو" سے حکمِ طلاق

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ 19 اکتوبر 2019ء کو زید نے فون پر اپنی بیوی سے دوبار کہا "تم مجھ پہ طلاق ہو" اور تاحال منکوحہ سے ازدواجی رابطہ و تعلق نہیں ہے، کیا ان کا نکاح باقی ہے؟ (رخصتی ہو چکی ہے)

سائل: عبد اللہ (پاکستان)

الجواب

صورت مسئولہ میں زید کی بیوی پر دو طلاقیں واقع ہو چکیں، اگر زید نے یہی دو طلاقیں دی ہیں اور اس سے پہلے یا بعد اور کوئی طلاق نہیں دی تو تین حیض آنے سے پہلے بغیر نکاح کے رجوع کر سکتا ہے اور تین حیض آنے کے بعد نئے مہر کیساتھ عورت کی مرضی سے نکاح کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر اس سے قبل ایک طلاق دی ہے تو یہ دو ملا کر تین ہو گئیں لہذا بغیر حلالہ نکاح نہیں کر سکتا، اور اگر اس سے قبل طلاق نہیں دی تو زید کو صرف ایک طلاق کا حق باقی ہے، زندگی میں جب کبھی وہ ایک طلاق دے گا، طلاقِ مغلظہ ہو جائے گی اور بغیر حلالہ عورت سے نکاح جائز نہ ہو گا۔ اب اسکی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"نقل سیدی عبد الغنی عن ادب القاضی للسرخسی رجل قال لامراتہ۔۔ طلاقک علی فالصحیح انہ یقع۔

(فتاوی شامی، کتاب الطلاق، باب الفاظ طلاق، جلد2، صفحہ470، مطبوعہ: لاہور)

امام اہلسنت **امام احمد رضاخان قادری** علیہ رحمۃ الرحمن الفاظ طلاق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نمبر15: **تجھ پر طلاق:**"فانه من اصرح صریح فی زماننا وعرفنافلایردمافی البحر وذلک مثل قول الدرعلی الطلاق،یقع بلانیة للعرف قال الشامی ولاینافی ذلک مایاتی من انه لوقال طلاقک علی لم یقع، لان ذاک عندعدم غلبةالعرف"

ترجمہ:تو یہ صریح طلاق سے بھی زیادہ واضح طلاق ہے،ہمارے زمانہ اور عرف میں،لہذا بحر کا بیان یہاں اعتراض کے طور پر وارد نہ ہو گا اور جیسا کہ دُر کا قول کہ "مجھ پر طلاق ہے" کہا تو بغیر نیت بھی طلاق ہو جائے گی کیونکہ یہ عرف میں طلاق ہے،تو اس پر علامہ شامی نے فرمایا:دُر کی یہ بات آئندہ آنے والی اس بات کے منافی نہیں جس میں کہا گیا ہے کہ "مجھ پر طلاق" کہنے پر طلاق نہ ہو گی،یہ اس لئے کہ یہ وہاں ہے جہاں یہ لفظ طلاق کیلئے عرفِ غالب نہ ہو۔

(فتاوی رضویہ،کتاب الطلاق،جلد12،صفحہ532،رضا فاؤنڈیشن:لاہور)

امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"مابین(دورانِ) عدت کے رجعت کا اختیار ہے اور بعدِ انقضائے عدت(عدت پوری ہونے کے بعد) اگر چاہے اس سے نکاح جدید کر سکتا ہے" (فتاوی رضویہ،کتاب الطلاق،جلد12،صفحہ368،رضا فاؤنڈیشن:لاہور)

"اگر پہلے کبھی ایک طلاق نہ دے چکا ہو ورنہ ایک وہ اور دو یہ مل کر تین ہو گئیں عورت نکاح سے نکل گئی حلالہ کی ضرورت ہو گی،اگر پہلے طلاق نہ دی تھی یہ دو دی ہیں تو آئندہ جب کبھی ایک طلاق دے گا عورت بے حلالہ کے نکاح میں نہ آسکے گی" (فتاوی رضویہ،صفحہ367،حوالہ مذکورہ)

فقیہ ملت **مفتی محمد جلال الدین امجدی** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"بعد عدت عورت کی مرضی سے نئے مہر کیساتھ دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔۔۔اور اگر اس سے پہلے عورت کو اور طلاق دے چکا ہے یا موقع مذکور پر حققیت میں تین طلاق دی ہے مگر غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے صرف دو طلاق بتاتا ہے تو ان صورتوں میں حلالہ کے بغیر زید کا اس عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں"

(فتاوی فیض الرسول،کتاب الطلاق،جلد2،صفحہ198،شبیر برادرز:لاہور)

صدرالشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"عورت کو طلاق دی،بائن یا رَجعی۔۔۔اور اسوقت حمل نہ ہو اور عورت کو حیض آتا ہو تو عدت پورے تین حیض ہے"

(بہار شریعت،کتاب الطلاق،عدت کا بیان،جلد2،حصہ8،صفحہ234،مکتبۃ المدینہ:کراچی)

اور فرماتے ہیں: "جب تک تین حیض نہ آلیں یا سنِ ایاس کو نہ پہنچے اس کی عدت ختم نہیں ہو سکتی" (بہار شریعت، صفحہ 235، حوالہ مذکورہ)

الجواب صحیح — و اللہ تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ أتم و أحکم

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري — کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

24 جمادی الاولیٰ 1441ھ 20 جنوری 2020

سجدہ سہو سے قبل جان بوجھ کر سلام پھیرنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ اگر کسی شخص نے سجدہ سہو کرنے سے قبل جان بوجھ کر دونوں طرف سلام پھیر دیا تو نماز کا کیا حکم ہے؟ نیز ایک طرف سلام پھیرنے پر کونسی حدیث دلیل ہے؟

سائل: مفتی محمد امجد رضوی صاحب

الجواب

سجدہ سہو کے بارے میں وارد شدہ احادیث میں سلام کا حکم مطلق ہونے کی وجہ سے علماء احناف میں اختلاف ہوا، بعض نے فرمایا کہ سجدہ سہو سے قبل سلام دونوں طرف پھیرا جائے گا، جبکہ جمہور علماءِ احناف کے نزدیک فقط ایک طرف ہی سلام پھیرنا کافی ہے جبکہ دوسری جانب سلام پھیرنے سے بچنا لازم وضروری ہے یہاں تک کہ اگر کسی شخص نے جان بوجھ کر دونوں طرف سلام پھیر دیا تو اس سے سجدہ سہو ساقط ہو جائے گا اور نماز واجب الاعادہ ہو گی۔ کیونکہ پہلا سلام دو چیزوں کیلئے ہوتا ہے:

تحلیل وتحیۃ (جو امور تکبیر تحریمہ یعنی نماز کی ابتدائی تکبیر سے حرام ہوگئے تھے ان کے حلال ہونے اور سیدھی جانب موجود نمازی، امام صاحب اور فرشتوں وغیرہ کو سلام کرنے) کیلئے ہوتا ہے، جبکہ دوسرا سلام فقط تحیۃ (الٹی جانب والے نمازیوں کو سلام کرنے) کیلئے ہوتا ہے۔ اور تحیۃ (سلام کرنا) مکرر (دونوں جانب کے نمازیوں کیلئے) ہوتی ہے نہ کہ تحلیل (تکبیر تحریمہ سے حرام شدہ امور کا حلال ہونا مکرر نہیں ہوتا بلکہ فقط پہلی طرف سلام پھیرنے سے ہی حرام شدہ امور حلال ہو جاتے ہیں) اور سجدہ سے قبل سلام تحلیل (حرام شدہ امور کے حلال ہونے) کیلئے ہے نہ کہ تحیۃ (سیدھی جانب کے نمازیوں کو سلام کرنے) کیلئے اور تحلیل فقط پہلے سلام سے ہی حاصل ہو چکی لہذا دوسری جانب سلام پھیرنا فضول عمل ہونے کی وجہ سے کلام کی طرح ہے لہذا اس سے بچنا ضروری ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے:

"اذاشک احدکم فی صلاتہ فلیتحر الصواب فلیتم علیہ ثم لیسلم ثم لیسجد سجدتین"

ترجمہ: جب تمہیں نماز میں شک ہو جائے تو جس پر دل جمے اسی کے مطابق پوری کرو، پھر سلام پھیرو پھر دو سجدے کرلو۔

(صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ، باب التوجہ نحو القبلۃ حیث کان، جلد 1، صفحہ 124، حدیث: 401، مطبوعہ: لاہور)

سنن ابی داؤد میں سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لکل سھو سجدتان بعد ما یسلم"

یعنی ہر سہو کے لئے سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے ہیں۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب: من نسی ان یتشھد وھو جالس، جلد 1، صفحہ 157، حدیث 1038، مطبوعہ: لاہور)

سنن ابی داؤد میں امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **"مفتاح الصلاۃ الطھور و تحریمھا التکبیر و تحلیلھا التسلیم"**

ترجمہ: نماز کی کنجی وضو ہے، اس کی تحریم اللہ اکبر کہنا اور اس کی تحلیل سلام ہے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1، حدیث 618، مطبوعہ: لاہور)

بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

"واختار فخر الاسلام انہ یسجد بعد تسلیمۃ الاولیٰ و ذکر فی المحیط انہ الاصوب لان الاول للتحلیل و الثانی للتحیۃ و ھذا السلام للتحلیل لا للتحیۃ فان ضم الثانی الی الاول عبثا و اختارہ المصنف فی الکافی و قال ان علیہ الجمھور و الیہ اشار فی الاصل و ھو الصواب فقد تعارض النقل عن الجمھور و ھناک قولان آخران احدھما انہ یسلم عن یمینہ فقط و صححہ فی المجتبی ثانیھما لو سلم التسلیمتین سقط عنہ سجود السھو لانہ بمنزلۃ الکلام حکاہ الشارح عن خواھر زادہ فقد اختلف التصحیح فیھا و الذی ینبغی الاعتماد علیہ تصحیح المجتبی انہ یسلم عن یمینہ فقط لان السلام عن الیمین معھود و بہ یحصل التحلیل فلا حاجۃ الی غیرہ"

ترجمہ: فخر الاسلام نے ایک سلام کے بعد سجدہ کرنے کو اختیار فرمایا، محیط میں مذکور ہے کہ یہی اصوب (زیادہ درست) ہے، کیونکہ اول سلام تحلیل اور دوسرا تحیۃ کیلئے ہے اور یہ سلام تحلیل کیلئے ہے نہ کہ تحیۃ کیلئے، پس پہلے سے دوسرے کو ملا دینا عبث (فضول) ہے۔ اسی کو مصنف نے کافی میں اختیار کیا اور فرمایا کہ بیشک جمہور اسی پر ہیں، اور اس کی طرف کتاب الاصل میں اشارہ بھی فرمایا اور یہی صواب (درست) ہے پس جمہور سے نقل میں تعارض ہوا، یہاں دوسرے دو قول بھی ہیں، ان دونوں میں سے ایک یہ ہے کہ صرف اپنی سیدھی جانب سلام پھیرے، اور مجتبیٰ میں اس کی تصحیح فرمائی

گئی، دوسرا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے دونوں طرف سلام پھیرا تو اس سے سجدہ سہو ساقط ہو جائے گا کیونکہ یہ (دوسری طرف سلام پھیرنا) بمنزلہ کلام ہے، شارح نے اس کو خواہر زادہ سے حکایت کیا، پس تحقیق اس کی تصحیح میں اختلاف ہے، اور مجتبیٰ کی تصحیح پر اعتماد کرنا مناسب ہے کہ بیشک سلام فقط ایک طرف پھیرے کیونکہ سلام سیدھی جانب معہود ہے اور اس کے ساتھ تحلیل بھی حاصل ہو جاتی ہے تو اس کے علاوہ (دوسرے سلام) کی طرف کوئی حاجت نہیں۔

(بحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الصلاۃ، باب: سجود السہو، جلد2، صفحہ 164، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

اور فتاوی شامی میں ہے:

"ان السلام الاول للشیئین:للتحلیل وللتحیۃ،والسلام الثانی للتحیۃ فقط ای تحیۃ بقیۃ القوم لان التحلیل لایتکرر،وھناسقط معنی التحیۃ عن السلام لانہ یقطع الاحرام فان ضم الثانی الیہ عبثاً،ولوفعلہ فاعل لقطع الاحرام۔قال فی الحلیۃ بعدعزوہ ذلک الی فخر الاسلام حتی انہ لایاتی بعدہ بسجود السھو،ومشی علیہ فی الکافی وغیرہ،اھ،وفی المعراج قال شیخ الاسلام:لوسلم تسلیمتین لایاتی بسجود السھو بعدذلک لانہ کلام،اھ،قلت وعلیہ فیجب ترک التسلیمۃ الثانیہ۔"

ترجمہ: بیشک پہلا سلام دو چیزوں کیلئے ہے، تحلیل و تحیۃ اور دوسرا سلام فقط تحیۃ کیلئے ہے یعنی بقیہ قوم کی تحیۃ کیلئے، کیونکہ تحلیل متکرر نہیں ہوتی، اور سلام سے یہاں معنیٰ تحیۃ ساقط ہو گیا کیونکہ اس نے احرام کو قطع کر دیا، پس اگر دوسرے سلام کو ملا دیا تو عبث (فضول) ہے اور اگرچہ فاعل نے دوسرا سلام قطع احرام کیلئے پھیرا۔ حلیہ میں اس کو فخر الاسلام کی طرف منسوب کرنے کے بعد فرمایا: یہاں تک کہ بیشک اس (دوسرے سلام) کے بعد سجدہ سہو ادا نہیں ہو گا، اور کافی وغیرہ میں بھی ایسا ہی ہے، اور معراج میں ہے کہ شیخ الاسلام نے فرمایا: اگر دو سلام پھیرے تو اس کے بعد سجدہ سہو ادا نہیں ہو گا، کیونکہ یہ کلام ہے، (علامہ شامی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں پس دوسرے سلام کو ترک کرنا اس پر لازم وضروری ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب: سجود السہو، جلد2، صفحہ 653، مطبوعہ: لاہور)

درمختار میں ہے:

"یجب بعدسلام واحدعن یمینہ فقط۔۔۔ وھوالاصح بحرعن المجتبی وعلیہ لواتی بتسلیمتین سقط عنہ السجود"

ترجمہ: (سجدہ سہو) فقط دائیں جانب سلام کے بعد واجب ہے اور یہی اصح ہے بحر۔ اور اگر سجدہ سہو لازم تھا اور اس نے دونوں طرف سلام پھیر دیا تو سجدہ سہو ساقط ہو جائے گا۔

(درمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود السہو، جلد2، صفحہ 652، مطبوعہ: لاہور)

اور ردالمحتار میں ہے:

"وعلیہ فیجب ترک التسلیمة الثانیة"

یعنی اگر سجدہ سہو لازم ہو تو دوسرے سلام کا ترک ضروری ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود السہو، جلد2، صفحہ653، مطبوعہ: لاہور)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں:

"(سجدہ سہو) ایک سلام کے بعد چاہئے، دوسرا سلام پھیرنا منع ہے، یہاں تک کہ اگر دونوں قصداً (جان بوجھ کر) پھیر دے گا سجدہ سہو نہ ہو سکے گا اور نماز پھیرنا واجب رہے گا۔

(فتاوی رضویہ، باب سجود السہو، جلد8، صفحہ196، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

واللہ تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ أتم و أحکم	**الجواب صحیح**
کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ	**أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري**
29 جمادی الاولی 1441ھ 26 جنوری 2020ء	

منت کے روزے مسلسل رکھیں یا الگ الگ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ منت کے روزے مسلسل رکھنا لازم ہیں یا الگ الگ بھی رکھ سکتے ہیں؟ جیسے کہ کہا "اللہ پاک فلاں شخص کو صحت عطا فرمائے تو میں 10 روزے رکھوں گا"

سائل: توقیر رضا (پاکستان)

الجواب

صورت مسئولہ میں مریض کو شفاء ملنے پر منت کے 10 روزے رکھنا لازم ہیں اگرچہ مسلسل ہوں یا الگ الگ، اگر نہ رکھے تو گناہ گار ہوں گے۔ بَوقت مَنت مسلسل روزے رکھنے کا زبان سے ذکر کیا یا دِل میں نیت حاضر تھی تو مسلسل رکھنا لازم ہیں ورنہ مسلسل اور الگ الگ دونوں طرح اختیار ہے، اگر مسلسل رکھنے کی منت مانی اور درمیان میں ایام ممنوعہ یا عورت کے حیض و نفاس کے ایام آرہے ہوں تو ان میں روزہ نہ رکھیں بلکہ ایام ممنوعہ گزرنے یا حیض و نفاس سے پاک ہونے کے بعد 10 روزے بطور قضاء رکھیں اور اگر درمیان میں ایک بھی روزہ چھوڑا اگرچہ جان بوجھ کر یا کسی مجبوری سے تو جتنے روزے ناغہ ہونے سے پہلے رکھے تھے ان سب کا اعادہ کرنا لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے:

"یوفون باَلنذر ویخاٰفون یوماًکان شرہ مستطیرا"

ترجمہ: نیک لوگ وہ ہیں جو اپنی منت پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی پھیلی ہوئی ہے۔

(پارہ29، سورۃ الدھر، آیت:7)

امام بخاری ام المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی:

"عن النبی صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: من نذر ان یطیع اللہ فلیطعہ ومن نذر ان یعصیہ فلا یعصہ"

ترجمہ: رسول اللہ صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو یہ منت مانے کہ اللہ کی اطاعت کرے گا تو اس کی اطاعت کرے (یعنی منت پوری کرے) اور جو اس کی نافرمانی کرنے کی منت مانے تو اس کی نافرمانی نہ کرے (یعنی اس منت کو پورا نہ کرے)

(صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب النذر فی الطاعۃ۔۔۔ الخ، جلد2، صفحہ 522، حدیث:6696، مطبوعہ: لاہور)

صدرالشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں:

اگر ایسی چیز پر معلق کیا کہ اوس کے ہونے کی خواہش ہے مثلاً اگر میرا لڑکا تندرست ہو جائے یا پردیس سے آجائے یا میں روزگار سے لگ جاؤں تو اتنے روزے رکھوں گا یا اتنا خیرات کروں گا، ایسی صورت میں جب شرط پائی گئی یعنی بیمار اچھا ہو گیا یا لڑکا پردیس سے آگیا یا روزگار لگ گیا تو اوتنے روزے رکھنا یا خیرات کرنا ضرور ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ کام نہ کرے اور اس کے عوض میں کفارہ دیدے۔

(بہار شریعت، منت کا بیان، جلد2، حصہ 9، صفحہ 314، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

بحر الرائق میں ہے:

"ولو اوجب علی نفسہ صوما متتابعاً فصامہ متفرقاً لم یجز وعلی عکسہ جاز"

ترجمہ: اگر مسلسل روزہ رکھنے کی منت مانی تو متفرق رکھنا جائز نہیں اور متفرق رکھنے کی منت مانی تو مسلسل جائز ہیں۔

(البحر الرائق، کتاب الصوم، فصل في النذر، جلد2، صفحہ 519، دارالکتب العلمیہ: بیروت)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

" فان نوی فیہ التتابع وافطر یوما فیہ اوحاضت المراۃ فی مدۃ الصوم استانف واستانفت کذافی السراج الوھاج"۔

ترجمہ: اگر مسلسل روزہ رکھنے کی منت مانی اور درمیان میں ایک دن روزہ نہ رکھا یا روزے کے دنوں میں عورت کو حیض آگیا تو مرد و عورت دونوں نئے سرے سے روزے رکھیں۔

(فتاوی عالمگیری، کتاب الصوم، الباب السادس فی النذر، جلد 1، صفحہ 208، مطبوعہ: کوئٹہ)

بہار شریعت میں ہے:

"اگر منّت میں پے در پے روزہ کی شرط یا نیّت کی جب بھی جن دنوں میں روزہ کی ممانعت ہے، اُن میں روزہ نہ رکھے۔ مگر بعد میں پے در پے ان دنوں کی قضا رکھے اور اگر ایک دن بھی بے روزہ رہا تو اس دن کے پہلے جتنے روزے رکھے تھے، ان سب کا اعادہ کرے۔"

(بہار شریعت، کتاب الصوم، منت کے روزے کا بیان، جلد 1، حصہ 5، صفحہ 1016، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

الجواب صحیح — و اللہ تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ أتم و أحکم

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري — کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

8 جمادی الاخری 1441ھ 3 فروری 2020

بیوی کو شوہر کی قبر میں دفن کرنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ ایک عورت کی میت کو اس کے اہل خانہ نے شوہر کی قبر میں دفن کر دیا جو کہ 10 سال قبل فوت ہوا تھا حالانکہ قبرستان میں متبادل جگہ موجود تھی صرف مین یعنی مرکز کی جگہ کا جواز بنا کر مرحوم شوہر کی قبر کشائی کر کے اس میں تدفین کر دی گئی۔ کیا اس طرح تدفین کرنا شرعاً درست ہے؟ اگر نہیں تو کیا میت قبر سے نکالا جائے یا اسی حال پر چھوڑ دیا جائے۔ بینوا و توجروا

سائل: شیخ عامر قادری (اورنگی ٹاؤن، کراچی، پاکستان)

الجواب

میت کو دفن کرنے کے بعد اگرچہ جسم خاک ہو چکا ہو قبر کھولنا ہرگز جائز نہیں کہ اس میں میت کی بے حرمتی، اس کی ہڈیوں کا علیحدہ کرنا ہے اور یہ ناجائز و گناہ ہے، البتہ اگر کسی غیر کی جگہ پر قبضہ کر کے مردے کو دفن کیا یا کوئی اور شرعی وجہ پائی گئی تو کھول سکتے ہیں، جبکہ صورت مسئولہ میں قبرستان میں دوسری جگہ ہونے کے باوجود بلا اجازت شرعی میت کو اس کے شوہر کی 10 سالہ پرانی قبر کھود کر دفن کیا گیا جو کہ ناجائز و گناہ ہے اور اس میں جو اہل خانہ برضا و خوشی شریک ہوئے سب

گناہ گار ہوئے ان سب پر توبہ کرنالازم ہے، لیکن اب اس دوسری میت کو وہاں سے نکالنے کیلئے دوبارہ قبر کُشائی کرنا قطعاً جائز نہیں کہ اس میں دونوں میتوں کی بے حرمتی ہونے کیساتھ ساتھ عورت پر اجنبی مردوں کی نظر پڑنے اوران کے چھونے کا بھی قوی امکان ہے جو کہ سخت ناجائز۔ اب اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

درمختار میں ہے:

لایخرج منه بعد اهالة التراب الالحق اٰدمی کان تکون الارض مغصوبة او اخذت بشفعة ویخیر المالک بین اخراجه ومساواته بالارض "

ترجمہ: مٹی ڈال دینے کے بعد قبر سے مردے کو نکالا نہ جائے گا مگر کسی انسان کے حق کی وجہ سے، مثلاً زمین غصب کی ہو یا شفعہ کی وجہ سے لے گئی ہو اور مالک کو اختیار ہو گا کہ مردے کو نکال دے یا قبر زمین کے برابر کر دے۔

(درمختار، کتاب الصلوۃ، باب صلٰوۃ الجنائز، جلد 3، صفحہ 171، 170، مطبوعہ: لاہور)

امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فتح القدیر شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

"لایدفن اثنان فی قبر واحد الا لضرورة ولایحفر قبر لدفن اٰخر الا ان بلی الاول فلم یبق له عظم الا ان لایوجد بد فیضم عظام الاول ویجعل بینهما حاجز من تراب"

یعنی بلا مجبوری ایک قبر میں دو کا دفن جائز نہیں، نہ بلا مجبوری دوسرے کے دفن کے لئے قبر کھودنے کی اجازت، مگر جبکہ پہلا بالکل خاک ہو گیا ہو کہ اس کی ہڈی تک نہ رہی، ہاں مجبوری ہو تو ہڈیاں ایک طرف جمع کر کے انھیں اور اس میّت میں مٹی کی آڑ قائم کر دیں۔ (فتح القدیر، کتاب الجنائز، فصل فی الدفن، جلد 1، صفحہ 473، مطبوعہ: مصر)

تارتارخانیہ وامدادالفتاح میں ہے:

" اذا صار المیّت ترابا فی القبر یکره دفن غیره فی قبره لان الحرمة باقیة وان جمعوا عظامه فی ناحیة ثم دفن غیره فیه تبرکا بالجیران الصالحین ویوجد موضع فارغ یکره ذلک"

یعنی اگر میّت بالکل خاک ہو جائے جب بھی اس کی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا مکروہ تحریمی وناجائز ہے کہ حرمت اب بھی باقی ہے، اور اگر مزاراتِ صالحین کے قرب کی برکت حاصل کرنے کی غرض سے میّت کی ہڈیاں ایک کنارے جمع کر دیں تو اب بھی ناجائز ہے جبکہ فارغ جگہ دفن کو مل سکتی ہے۔

(فتاوٰی تاتارخانیۃ، کتاب الجنائز، فصل فی القبر والدفن، جلد 3، صفحہ 75، مطبوعہ: ہند)

امام محمد ابن امیر الحاج رحمہ اللہ تعالٰی حلیہ میں فرماتے ہیں:

"یکرہ ان یدفن فی القبر الواحد اثنان الالضرورۃ وبھذا تعرف کراھۃ الدفن فی الفساقی، خصوصا ان کان فیھا میّت لم یبل، و اما مایفعلہ جھلتہ اغبیاء من الحفارین وغیر فی المقابر المسبلۃ العامۃ وغیرھا من بنش القبور التی لم یبل اربابھا وادخال اجانب علیھم، فھو من المنکر الظاھر الذی ینبغی لکل واقف علیہ انکار ذلک علی متعاطیہ بحسب الاستطاعۃ فان کف والا دفع الٰی اولیاء الامور وفقھم اللہ تعالٰی لیقابلوہ بالتادیب، ومن المعلوم ان لیس من الضرورۃ المبیحۃ جمع میّتین ابتداء فی قبر واحد لقصد دفن الرجل مع قریبہ او ضیق محل الدفن فی تلک المقبرۃ مع وجود وغیرھا وان کانت تلک المقبرۃ مما یتبرک بالدفن فیھا البعض من بھا من الموتٰی فضلا عن کون ھذہ الامور وما جری مجرھا مبیحۃ للنبش وادخال البعض علی البعض قبل البلی مع مایحصل فی ضمن ذلک من ھتک حرمۃ المیّت الاول وتفریق اجزائہ فالحذر من ذلک"

یعنی بلا مجبوری ایک قبر میں دو کا دفن جائز نہیں، اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ تہ خانوں میں دفن منع ہے خصوصاً جبکہ وہاں کوئی میّت موجود ہو جو ابھی خاک نہ ہوا اور وہ جو بعض گورکن وغیرہ جاہلان بد عقل کرتے ہیں کہ وقفی یا غیر وقفی قبرستان میں وہ قبر جس کا مردہ ہنوز خاک نہ ہو کھود کر دوسرا دفن کر دیتے ہیں، یہ صریح معصیت ہے۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ حتی الامکان انھیں ایسا کرنے سے خود روکے، اور اس کے روکے نہ رُکیں تو حکام کو اطلاع دیں کہ وہ ان لوگوں کو سزا دیں، اور شریعت سے معلوم ہے کہ کسی کو اس کے عزیز یا تبرک کے لئے کسی مزار کے پاس دفن کرنے کی غرض سے ابتداء دو جنازے ایک قبر میں رکھنا حلال نہیں جبکہ وہاں دوسرا مقبرہ موجود ہو، نہ کہ ان وجوہ کے لیے اگلی قبر کھودنا، اور ایک کے خاک ہونے سے پہلے دوسرے کا اس میں داخل کرنا، یہ کیسے حلال ہو سکتا ہے حالانکہ اس میں پہلے میّت کی ہتک حرمت اور اس کے اجزاء کا متفرق کرنا ہے تو خبردار اس حرکت سے بچو۔

(ردالمحتار بحوالہ حلیہ ملخصًا باب صلٰوۃ الجنائز، جلد 3، صفحہ 163، مطبوعہ: لاہور)

امام اہلسنت **امام احمد رضاخان قادری** علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں:

"عبارات امام محمد حلبی میں یہ دیکھنا کہ اپنے عزیز یا کسی مزار کے قریب میں دفن کا قصد وہ ضرورت نہیں جس کے باعث ابتداء ایک قبر میں دو کا دفن مباح ہو جائے، صاف ثابت ہوا کہ ایسا کرنا حلال نہیں ۔۔۔ کہ اس میں مسلمان میّت کی بیحرمتی ہے ۔۔۔ اور مسلمان میّت کی ہڈی علیحدہ کرنا ہے ۔۔۔ میّت اگرچہ خاک ہو گیا ہو بلا ضرورت شدید اس کی قبر کھود کر دوسرے کا دفن کرنا جائز نہیں جیسا کہ تارتاخانیہ وغیرہا میں فرمایا، مگر کسی کی مملوک زمین ہے خاک ہو جانے کے بعد وہ اپنی ملک میں تصرف کر سکتا ہے، عبارتِ تبیین کا یہی محل ہے، بہر حال خاک ہو جانے سے پہلے بلا مجبوری کسی کے نزدیک

جائز نہیں۔۔۔اقول وقد یکون عظم امرأۃ فکیف یحل للاجانب النظر الیہ ومسہ کشعرھا المقطوع کمانصوا علیہ"

اقول(میں کہتاہوں)ایسا بھی ہوگا کہ ہڈی کسی عورت کی ہوتو نامحرموں کا اسے دیکھنا چھونا حلال نہیں، علمائے کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔" (فتاوی رضویہ، کتاب الجنائز، دفن کا بیان، جلد9، صفحہ 389، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت سے "قبر کُشائی" کے متعلق نہایت اَہم وعبرت انگیز "عرض وارشاد" مُلاحَظہ فرمایئے:

عَرض: ایک قَبْر کچّی ہے، ہر بار(بارِش وغیرہ کا)پانی بھر جاتا ہے(کیا)اس میں پکّی ڈاٹ(یعنی سوراخ بند کرنے کی چیز)لگا دیں؟

ارشاد: قَبْر پر ڈاٹ لگانے میں حَرَج نہیں، ہاں کھولی نہ جائے۔ میّت کو دَفن کرکے جب مِٹّی دے دی گئی تو وہ اَمانت ہو جاتا ہے اللہ(عَزَّوَجَلَّ)کی، اس کا کَشف(یعنی کھولنا)جائز نہیں۔(کیونکہ قَبْر میں مردہ)دو حال سے خالی نہیں(یا تو)مُعَذَّب (یعنی عذاب میں)ہے یا مُنْعَمٌ عَلَیہ(یعنی نعمت میں)۔ اگر مُعَذَّب(یعنی عذاب میں)ہے تو دیکھنے والا دیکھے گا اِسے، جس سے اُسے(یعنی خود دیکھنے والے کو)رنج پہنچے گا اور کر کچھ نہیں سکتا۔ اور اگر مُنْعَمٌ عَلَیہ(یعنی نعمت میں)ہے تو اس میں اُس(یعنی میّت)کی ناگواری ہے۔ (ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت مُخَرَّجہ صَفْحَہ 501 تا 503، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

الجواب صحیح والله تعالی اعلم و علمه جل مجده أتم و أحكم

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري كتبه: ابو حمزه محمد آصف مدنی عفی عنه

15 جمادی الاُخریٰ 1441ھ 10 فروری 2020

مسجد کے صحن میں پانی کا بور کرنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ مسجد کے صحن میں پانی کیلئے بورنگ کی جاسکتی ہے؟

سائل: ایاز حسین(حیدرآباد، پاکستان)

الجواب

مسجد اس زمین کو کہتے ہیں جو نماز کیلئے وقف ہو اور صحنِ مسجد بھی مسجد ہے کہ یہ بھی نماز کیلئے ہی وقف ہوتا ہے۔ لہذا صحنِ مسجد میں پانی کیلئے بورنگ کرنے کی ہرگز اجازت نہیں اگرچہ مسجد کی ضروریات کیلئے ہو یا پانی فروخت کرکے مسجد کی آمدنی میں اضافہ مقصود ہو، اور اگر کسی نے ایسا کیا تو اس کروانے والے پر فوراً اسے ختم کرنا اور بطور تاوان اپنی جیب سے صحن کی

اسی طرح مرمت کروانا لازم ہے جیسے پہلے تھی۔ البتہ اگر بورنگ مسجد بننے سے پہلے ہی کی ہوئی تھی اور بعدِ تعمیرِ مسجد وہ صحن مسجد کے اندر آگئی یا فنائے مسجد جیسے وضو خانہ، استنجاء خانہ اور جوتے اتارنے کی جگہ وغیرہ میں کروائی تو حرج نہیں کہ یہ جگہیں مسجد کی ضروریات کیلئے ہی ہیں۔

فتاوی رضویہ میں ہے: مسجد صرف اس زمین کا نام ہے جو نماز کیلئے وقف ہو۔

(فتاوی رضویہ، کتاب الوقف، باب المساجد، جلد 16، صفحہ 255، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

اسی میں ہے: "صحنِ مسجد، مسجد ہے" (فتاوی رضویہ، جلد 16، صفحہ 284، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

صدر الشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فنائے مسجد جو جگہ مسجد سے باہر اس سے ملحق ضروریات مسجد کیلئے ہے مثلاً جوتا اتارنے کی جگہ اور غسل خانہ وغیرہ۔

(فتاوی امجدیہ، جلد 1، حصہ 1، صفحہ 399، کتاب الصوم، مکتبہ رضویہ: کراچی)

بحر الرائق میں ہے:

"وفی الظهيرية وغيرها: يكره فی غرس الاشجار فی المسجد لانه يشبه البيعة الا ان يكون به نفع للمسجد كان يكون ذانزاو اسطوانية لاتستقر فيغرس ليجذب عروق الاشجار ذالک النذر فحينئذيجوز والافلا۔۔۔ولايتخذ المسجد فی بئر ماء لانه يخل فی حرمة المسجد فانه يدخله الجنب والحائض وان حفر فهو ضامن بما حفر الا اما كان قديما فيترک فبئر زمزم فی المسجد الحرام"

ترجمہ: مسجد میں درخت لگانا ناجائز ہے کیونکہ یہ کلیساء کے مشابہ ہے سوائے اس کے کہ جب مسجد کے نفع کیلئے ہو جیسے زمین مسجد نمناک ہو اور درختوں کے بغیر اس کے ستون قرار نہ پکڑتے ہوں تو درخت لگانا جائز ہے وگرنہ نہیں۔۔۔اور مسجد میں کنواں نہیں کھودا جائے گا۔۔۔اور اگر کھودا تو تاوان لازم ہو گا سوائے اس کے کہ وہ کنواں قدیم ہو (یعنی مسجد بننے سے پہلے کا ہو) تو اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دیا جائے گا جیسے زمزم شریف کا کنواں مسجد حرام میں ہے۔

(بحر الرائق بحوالہ ظہیریہ، کتاب الصلوۃ، فصل لما فرغ من بیان الکراہۃ فی الصلوۃ، جلد 2، صفحہ 62، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

منحۃ الخالق میں ہے:

"قوله والافلادليل على انه لايجوزاحداث الغرس فی المسجدولاابقاءهوفيه لغيرذلک العذرولو كان المسجدواسعاًولوقصدبه الاستغلال للمسجدالخ"۔

ترجمہ: امام ظہیر الدین کا قول والا فلا (ورنہ ناجائز ہے) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عذر کے بغیر مسجد میں ابتداءً درخت لگانا بھی ناجائز اور لگے ہوئے درختوں کو باقی رکھنا بھی ناجائز ہے اگرچہ مسجد وسیع ہو اور اگرچہ اس سے مسجد کیلئے کرایہ لینا مقصود ہو۔ الخ۔

(منحۃ الخالق علی البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، فصل لما فرغ من بیان الکراہتہ۔۔۔ جلد2، صفحہ 61، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر درخت مسجد کے مسجد ہونے سے پہلے رکھا گیا تو عدم جواز مذکور کے تحت میں داخل نہیں کہ اس تقدیر پر یہ درخت مسجد میں نہ بویا گیا بلکہ مسجد زمینِ درخت میں بنائی گئی۔ (فتاوی رضویہ، ج16، صفحہ 336، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

در مختار میں ہے:

"لوبنی فوقه بیتاللامام لایضر لانه من المصالح امالو تمت المسجدیة ثم ارادالبناء منع, ولو قال عنیت ذلک لم یصدق تاتارخانیه, فاذاکان هذافی الواقف فکیف بغیره, فیجب هدمه ولو علی جدار المسجد"۔

ترجمہ: اگر واقف نے مسجد کے اوپر امام کا حجرہ بنا دیا تو جائز ہے کیونکہ یہ مصالح مسجد میں سے ہے لیکن تمام مسجدیت کے بعد اگر وہ ایسا کرنا چاہے تو اسے روکا جائے گا، اگرچہ وہ کہے کہ میرا شروع سے ارادہ تھا، تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، تاتارخانیہ۔ جب خود واقف کا یہ حکم ہے تو غیر واقف کو کیسے اجازت ہو سکتی ہے۔ لہذا ایسی عمارت کو گرا دینا واجب ہے اگرچہ وہ مسجد کی دیوار پر ہو۔ (در مختار، کتاب الوقف، باب احکام المسجد، جلد1، صفحہ 548، مطبوعہ: لاہور)

جو کچھ نقصان حجرہ مسجد یا دیوار حجرہ مسجد کو پہنچے اسے اپنے داموں سے ویسا ہی بنوا دے جیسا پہلے بنا ہوا تھا۔

(فتاوی رضویہ، کتاب الوقف، باب المساجد، جلد16، صفحہ 307، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

الجواب صحیح — **واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم**

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري — **کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ**

3 رجب المرجب 1441ھ 28 فروری 2020

آڈیو، ویڈیو کال پر سلام کے جواب کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ اسکائپ۔۔یا۔۔واٹس ایپ وغیرہ پر آڈیو، ویڈیو کال خواہ گروپ کی صورت میں ہو۔۔یا۔۔انفرادی، ایک دوسرے کے سلام کا جواب دینا واجب ہے؟

سائل: محمد عمران (دبئی)

الجواب

بذریعہ خط وکتاب یا براہ راست ملاقات کے ارادے سے آنے والے کے سلام کا فورا(جلد از جلد)جواب دیناواجب ہے ،بلاعذر تاخیر کی تو گناہ گار ہوئے لہذا توبہ لازم ہے۔اوردور حاضر میں آڈیو،ویڈیو کال اگرچہ براہ راست ملاقات نہیں لیکن خط وکتابت سے بڑھ کر ہے،لہذااس کا بھی یہی حکم ہے،یعنی اگر تحیۃ وملاقات کے ارادے سے ہو جیسے آج کل گپ شپ یاحال احوال جاننے کیلئے کال کی جاتی ہے خواہ انفرادی ہویااجتماعی،جواب دیناواجب ہے،گروپ میں سے کسی ایک نے بھی جواب دے دیا،سب بری الذمہ ہوگئے،جبکہ افضل یہ ہے کہ سب جواب دیں،ہاں اگراس گروپ کال میں کسی نے کسی خاص شخص کانام لے کرسلام کیاتواسی کوجواب دیناواجب ہے،دوسرے کے جواب دینے سے وہ بری الذمہ نہ ہوگا،اوراگرملاقات کاارادہ نہ ہو جیسے میٹنگز میں ملازمین،کلاسز میں سٹوڈنٹس،سرکاری آفیسر،کمپنی مینجر،مفتی اسلام وغیرہ نے آڈیو،ویڈیو کال کے ذریعے شرکت کی اورکسی نے سلام کیاتوانہیں جواب دیناواجب نہیں کیونکہ ملازمین نظام کی معلومات حاصل کرنے،سٹوڈنٹ لیکچرلینے،سرکاری آفیسر،کمپنی مینجراورمفتی اسلام لوگوں کے مسائل حل کرنے کے لئے آن لائن ہوئے ہیں اورلوگ ان سے اپنے مسائل کے حل کیلئے رابطہ کررہے ہیں نہ کہ تحیت وملاقات کے ارادے سے،لہذاانہیں سلام کاجواب دیناواجب نہیں۔اب اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

اللہ تعالیٰ فرماتاہے:

"وَاِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحۡسَنَ مِنۡهَآ اَوۡ رُدُّوۡهَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیۡءٍ حَسِيۡبًا"

ترجمہ:جب تم کو کوئی کسی لفظ سے سلام کرے تو تم اس سے بہتر لفظ جواب میں کہو یاوہی کہہ دو،بے شک اللہ(عزوجل)ہر چیزپر حساب لینے والا ہے۔ (پ5،النسآء:86)

حدیث مبارکہ میں ہے:

عن علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال یجزیء عن الجماعۃ اذامرواان یسلم احدھم ویجزیء عن الجلوس ان یرداحدھم روہ البیھقی فی شعب الایمان مرفوعاً۔

امیر لمؤمنین مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:فرمایا:جماعت کہیں سے گزری اس میں سے ایک نے سلام کرلیا یہ کافی ہے اور جو لوگ بیٹھے ہیں،ان میں سے ایک نے جواب دے دیا یہ کافی ہے۔اس حدیث کوامام بیہقی نے شعب الایمان میں مرفوعاًروایت کیاہے۔

(مشکوۃ المصابیح،جلد1،کتاب الاداب،باب السلام،الفصل الثانی،حدیث4439،مطبوعہ:لاہور)

(شعب الإیمان، باب فی مقاربۃ وموادۃ اھل الدین، فصل فی سلام الواحد... الخ، الحدیث:8922، جلد6، صفحہ 466)

در مختار میں ہے:

"ردالسلام وتشمیت العاطس علی الفور"

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:

"انہ اذا اخرہ لغیر عذر کرہ تحریما، ولا یرتفع الاثم بالرد بل التوبۃ"

یعنی سلام اور چھینکنے والے کی چھینک کا جواب فوراً دیناواجب ہے، بلا عذر تاخیر کی تو گنہگار ہوا اور یہ گناہ جواب دینے سے دفع نہ ہو گا، بلکہ توبہ کرنی ہو گی۔ ("الدرالمختار" و"ردالمحتار"، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل في البیع، جلد9، صفحہ 683)

فوراًواجب ہونے کا معنی "مجمع الانھر" میں یہ بیان کیا گیا ہے:

"معنی یجب علی الفور انہ یجب تعجیل الفعل فی اول اوقات الامکان"

یعنی علی الفور واجب ہونے کا معنی یہ ہے کہ جتنا جلد ممکن ہو، فعل کو بجالاناواجب ہے۔

(مجمع الانھر، کتاب الزکوۃ، داراحیاء التراث العربی: بیروت، جلد1، صفحہ 192)

اورامام اہلسنت **امام احمد رضاخان قادری** علیہ الرحمن فرماتے ہیں:

ہمارے نزدیک جواب سلام علی الفور واجب ہے، تاخیر میں اثم(گناہ) ہو گا

"حتی قالوا لو اخر الی آخر الکتاب کرہ"۔

(یہاں تک فرمایا کہ اگر اس نے خط کا جواب لکھنے تک سلام کے جواب میں تاخیر کی تو مکروہ ہے)

(فتاوی رضویہ، جلد24، صفحہ 714، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

در مختار میں ہے:

"ویجب رد جواب کتاب التحیۃ کرد السلام"

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:

"لان الکتاب من الغائب بمنزلۃ الخطاب من الحاضر۔ مجتبی۔ والناس عنہ غافلون"۔

ترجمہ: خط وکتابت کے ذریعے کئے گئے سلام کا جواب واجب ہے، کیونکہ غائب کا خط حاضر سے خطاب کے درجے میں ہے، اور لوگ اس سے غافل ہیں۔ (الدرالمختار" و"ردالمحتار"، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل في البیع، جلد9 صفحہ 685)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"السلام تحیۃ الزائرین والذین جلسوا فی المسجد للقراۃ والتسبیح اولانتظار الصلوۃ ماجلسوا فیہ لدخول الزائرین علیھم فلیس ھذا وان السلام فلایسلم علیھم ولھذا قالوا لوسلم علیھم الداخل وسعھم ان لایجیبوہ"

ترجمہ: سلام اس لیے ہے کہ ملاقات کرنے کو جو شخص آئے وہ سلام کرے کہ زائر اور ملاقات کرنے والے کی یہ تحیت ہے۔ لہٰذا جو شخص مسجد میں آیا اور حاضرین مسجد تلاوت قرآن و تسبیح ودرود میں مشغول ہیں یا انتظارِ نماز میں بیٹھے ہیں تو سلام نہ کرے کہ یہ سلام کا وقت نہیں۔ اسی واسطے فقہا یہ فرماتے ہیں کہ ان کو اختیار ہے کہ جواب دیں یا نہ دیں۔

(الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الکراھیۃ، الباب السابع فی السلام، جلد5، صفحہ 325)

اسی میں ہے:

"ولایسلم المتفقہ علی استاذہ ولو فعل لایجب رد سلامہ کذافی القنیۃ"

یعنی عالمِ دین تعلیم علمِ دین میں مشغول ہے، طالب علم آیا تو سلام نہ کرے اور سلام کیا تو اس پر جواب دیناواجب نہیں۔

(الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الکراھیۃ، الباب السابع فی السلام، جلد5، صفحہ 325)

صدرالشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں:

"اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگرچہ وہ پڑھانہ رہا ہو سلام کا جواب دیناواجب نہیں، کیونکہ یہ اس کی ملاقات کو نہیں آیا ہے کہ اس کے لیے سلام کرنا مسنون ہو بلکہ پڑھنے کے لیے آیا ہے، جس طرح قاضی کے پاس جو لوگ اجلاس میں جاتے ہیں وہ ملنے کو نہیں جاتے بلکہ اپنے مقدمہ کے لیے جاتے ہیں"۔

(بہار شریعت، جلد3، حصہ 16، سلام کا بیان، صفحہ 462، مکتبۃ المدینۃ: کراچی)

فتاوی عالمگیری میں ہے: "رجل اتی قوما فسلم علیھم وجب علیھم ردہ"

ترجمہ: ایک شخص مجلس میں آیا اور اس نے سلام کیا اہلِ مجلس پر جواب دیناواجب ہے۔

(الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الکراھیۃ، الباب السابع فی السلام، جلد5، صفحہ 325)

اسی میں ہے:

"اذادخل جماعۃ علی قوم فان ترکوا السلام فکلھم آثمون فی ذلک وان سلم واحد منھم جاز عنھم جمیعاً وان سلم کلھم فھو افضل وان ترکوا الجواب فکلھم آثمون وان ردواحدمنھم اجزاھم وبہ ردالاثر ۔۔۔وان اجاب کلھم فھو افضل کذافی الذخیرۃ"

ترجمہ: ایک جماعت دوسری جماعت کے پاس آئی اور کسی نے سلام نہ کیا تو سب نے سنت کو ترک کیا، اور اگر ان میں سے ایک نے سلام کرلیا تو سب بری ہوگئے اور افضل یہ ہے کہ سب ہی سلام کریں۔ یوہیں اگر ان میں سے کسی نے جواب نہ دیا

توسب گنہگار ہوئے اور اگر ایک نے جواب دے دیا تو سب بری ہو گئے اور افضل یہ ہے کہ سب جواب دیں۔اسی طرح ذخیرہ میں ہے۔ (الفتاوی الھندیۃ"،کتاب الکراھیۃ،الباب السابع في السلام،جلد5،صفحہ 325)

اسی میں ہے:"**فاما اذا سماہ فقال السلام علیک یازید فاجابہ غیر زید لا یسقط الفرض عن زید**"

ترجمہ:اگر اس نے کسی شخص کا نام لے کر سلام کیا کہ اے زید السلام علیک تو خاص زید کو جواب دینا ہوگا،دوسرے کا جواب اس کے جواب کے قائم مقام نہیں ہوگا۔

(الفتاوی الھندیۃ"،کتاب الکراھیۃ،الباب السابع في السلام،جلد5،صفحہ 325)

الجواب صحیح
أبو أطھر محمد أظھر العطاري المدني عفی عنہ الباري

و اللہ تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ أتم و أحکم
کتبہ:ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ
9شوال المکرم 1441ھ 1جون 2020

فرض کی دوسری رکعت میں جہری قرات بھول گئے تو لقمہ دیا گیا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ امام صاحب نماز مغرب کی دوسری رکعت میں جہری قرات کرنا بھول گئے یہاں تک کہ سورہ فاتحہ مکمل کرنے ہی والے تھے کہ مقتدیوں نے لقمہ دیا،جس پر سورہ فاتحہ مکمل کرنے کے فورا بعد امام صاحب نے سورۃ التکاثر بلند آواز سے پڑھنا شروع کر دی اور آخر میں سجدہ سہو کر لیا،کیا نماز درست ہو گئی؟ سائل:عبد اللہ

الجواب

صورت مسئولہ کا حکم سمجھنے سے قبل چند باتوں کو ذہن نشین فرمالیں۔

1:- سری نماز میں جہری یا جہری نماز میں سری قرات کرنے سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے،اگرچہ ایک ہی آیت پڑھی ہو۔

2:- نصف سے کم سورہ فاتحہ پڑھی تھی کہ خود یا مقتدیوں کے لقمہ دینے سے یاد آگیا اور دوبارہ شروع سے جہری یا سری قرات کر لی تو واجب شدہ سجدہ سہو ساقط ہو گیا،لہذا بغیر سجدہ سہو نماز درست ہو گی۔

3:- نصف سے کم سورہ فاتحہ پڑھی اور خود یا مقتدیوں کے لقمہ دینے سے یاد آگیا اور جہاں پہنچا تھا وہیں سے سری یا جہری قرات شروع کردی تو جو سجدہ سہو واجب ہوا تھا ساقط نہ ہوا بلکہ بدستور باقی رہا، لہذا سجدہ سہو کرلینے سے نماز درست ہو جائے گی۔

4:- نصف یا نصف سے زائد سورہ فاتحہ پڑھ لی پھر یاد آیا تو دوبارہ شروع سے پڑھنے سے بھی سجدہ سہو ساقط نہ ہوگا۔

5:- لقمہ دینے کی اجازت اس صورت میں ہے جب نماز ٹوٹ رہی ہو یا سجدہ سہو واجب ہو رہا ہو یا واجب شدہ سجدہ سہو کے ساقط ہونے کی کوئی صورت ہو۔

6:- جب سجدہ سہو کے ساقط ہونے کی کوئی صورت باقی نہ رہے تو لقمہ دینا ناجائز ہے، اگر مقتدی نے دیا تو لقمہ کے ناجائز و بے محل ہونے کی وجہ سے مقتدی کی نماز فاسد، اگر امام نے لیا تو امام سمیت سب نمازیوں کی بھی فاسد ہو جائے گی۔

ان مقدمات سے بالکل واضح ہو گیا کہ صورت مسئولہ میں امام نصف سے زائد سورہ فاتحہ پڑھ چکا تھا اب خواہ خود یاد آنے پر بھی دوبارہ شروع سے پڑھتا تو سجدہ سہو ساقط نہ ہوتا بلکہ بدستور واجب ہی رہتا لہذا مقتدیوں کو لقمہ دینے کی اجازت نہ تھی ، پھر بھی مقتدیوں نے دیا تو لقمہ دینے والوں کی نماز ٹوٹ گئی اور جب امام نے ان مقتدیوں سے لقمہ لیا جو خود نماز میں نہ تھے تو امام کیساتھ سب نمازیوں کی بھی ٹوٹ گئی، جب نماز ہی ٹوٹ گئی تو سجدہ سہو کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ اب اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"لو جهر فيما يخافت او خافت فيما يجهر وجب عليه سجود السهو"۔

ترجمہ: **ماتجوز به الصلوة** (یعنی اتنی مقدار جس سے نماز کا فرض ادا ہو جاتا ہے) سری کرنی تھی بھول کر جہری کرلی یا جہری کرنی تھی بھول کر سری کرلی سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔

(فتاوی عالمگیری، کتاب الصلوۃ، جلد1، صفحہ 128، مطبوعہ: کوئٹہ)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** علیہ رحمۃ الرحمن سے سوال ہوا کہ "آیت **مایجوز به الصلوة** کتنی مقدار ہے ؟ تو جواباً ارشاد فرمایا:

"وہ آیت کہ چھ حرف سے کم نہ ہو اور بہت نے اس کے ساتھ یہ بھی شرط لگائی ہے کہ صرف ایک کلمہ کی نہ ہو۔"

(فتاوی رضویہ، کتاب الصلوۃ، جلد6، صفحہ 344، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں:

چھوٹی آیت جس میں دو یا دو سے زائد کلمات ہوں پڑھ لینے سے فرض ادا ہو جائے گا۔

(بہار شریعت، قرات کا بیان، جلد 1، حصہ 3، صفحہ 512، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

جہری نماز میں سری یا سری نماز میں جہری کرنا شروع کی، سورہ فاتحہ نصف سے کم پڑھی تھی کہ اصلاح کر لی اور شروع سے اس کا اعادہ کر لیا تو سجدہ سہو جو واجب ہوا تھا ختم ہو گیا۔

امام اہلسنت علیہ الرحمہ "جدالممتار" میں فرماتے ہیں:

"لوخافت ببعض الفاتحه يعيده جهرا لان تكرار البعض لايوجب السهو ولا الاعادة و الاخفاء بالبعض يوجبه فبالاعادة جهرا يزول الثاني و لا يلزم الاول"

ترجمہ: اگر بعض فاتحہ آہستہ قرات کی تو وہ جہرا اس کا اعادہ کرے کیونکہ بعض کا تکرار سجدہ سہو اور نماز کے اعادہ کو واجب نہیں کرتا اور بعض کو آہستہ پڑھنا اس کو واجب کرتا ہے تو جہرا اعادہ کرنے سے دوسرا (نماز کے اعادہ کا وجوب) زائل ہو جاتا ہے اور پہلا (سجدہ سہو کا وجوب) لازم نہیں ہوتا۔

(جدالممتار، کتاب الصلوۃ، فصل فی القراۃ، جلد 3، صفحہ 237، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

اس جزئیہ میں امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے صراحتاً فرمایا ہے کہ جہری نماز میں اگر بعض سورہ فاتحہ کو آہستہ پڑھا تھا تو جہرا شروع سے سورہ فاتحہ پڑھے تاکہ اعادہ یا سجدہ سہو کا حکم ساقط ہو جائے۔

لیکن اگر سورہ فاتحہ نصف یا نصف سے زائد پڑھ چکا تھا تو شروع سے اعادہ نہیں کر سکتا کہ نصف فاتحہ کا تکرار خود ترک واجب ہے۔

صدرالشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اور اگر پہلی رکعتوں میں الحمد کا زیادہ حصہ پڑھ لیا تھا۔ پھر اعادہ کیا تو سجدہ سہو واجب ہے۔

(بہار شریعت، جلد 1، حصہ 3، صفحہ 711، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

شارح بخاری **مفتی محمد شریف الحق امجدی** علیہ الرحمہ فتاوی امجدیہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

"آہستہ آہستہ سورہ فاتحہ پڑھتا رہا، پھر بلند آواز سے پڑھنا شروع کیا، تو اگر سورہ فاتحہ کا اکثر حصہ پڑھ لیا تھا پھر شروع سے پڑھنا شروع کیا تو بھی سجدہ سہو واجب ہے کہ یہ اکثر سورہ فاتحہ کی تکرار ہوئی اور یہ موجب سجدہ سہو ہے، اگر دونوں دفعہ بلا قصد سہواً ہوا ہو تو اور اگر بالقصد تکرار کی تو اعادہ واجب، اور اگر سورہ فاتحہ کا اکثر حصہ نہیں پڑھا تھا تو نہ سجدہ سہو ہے، نہ اعادہ۔

(فتاوی امجدیہ، کتاب الصلوۃ، باب سجود السہو، جلد 1، صفحہ 282، مکتبہ رضویہ، کراچی)

جس مقام پر ترک واجب ہو گیا ہو اور لقمہ دینے سے لازم شدہ سجدہ سہو ساقط ہو سکتا ہو تو وہاں لقمہ دینا درست ہوتا ہے۔

امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ترک واجب ولزوم سجدہ سہو ہو چکا، اب اس کے بتانے سے مرتفع (ساقط) نہیں ہو سکتا، اور اس سے زیادہ کسی دوسرے خلل کا اندیشہ نہیں جس سے بچنے کو یہ فعل کیا جائے کہ غایت درجہ بھول کر سلام پھیر دے گا، پھر اس سے نماز تو نہیں جاتی وہی سہو کا سہو ہی رہے گا، ہاں جس وقت سلام شروع کرتا، اس وقت حاجت متحقق ہوتی اور مقتدی کو بتانا چاہئے تھا کہ اب نہ بتانے میں خلل وفسادِ نماز کا اندیشہ ہے کہ یہ تو اپنے گمان میں نماز تمام کر چکا، عجب نہیں کہ کلام وغیرہ کوئی قاطع نماز وغیرہ اس سے واقع ہو جائے، اس سے پہلے نہ خلل واقع کا ازالہ تھا، نہ خلل آئندہ کا اندیشہ، تو سوا فضول وبے فائدہ کے کیا باقی رہا، لہذا مقتضائے فقہی پر اس صورت میں بھی فسادِ نماز (نماز کے ٹوٹنے کا حکم) ہے۔

(فتاوی رضویہ، کتاب الصلوۃ، جلد 7، صفحہ 264، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

اس جزئیہ کی ابتدائی اور انتہائی عبارت سے پتا چلا کہ اگر لقمہ دینے سے ترک واجب ولزوم سجدہ سہو کا ارتفاع ہو سکے تو لقمہ دینا بر محل ہے۔ اس کی نظیر وہ صورت ہے جس میں امام قرات میں کوئی ایسی غلطی کرے جو مفسد نماز ہے اب بعدِ غلطی اس کو لقمہ دینا ضروری ہے تاکہ دفعِ فساد ہو۔

چنانچہ امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"ہاں اگر وہ غلطی کر کے رواں ہو جائے تو اب نظر کریں، اگر غلطی مفسد معنی ہے جس سے نماز فاسد ہو تو بتانا لازم ہے، اگر سامع کے خیال میں نہ آئی، ہر مسلمان کو حق ہے کہ بتائے، کہ اس کے باقی رہنے میں نماز کا فساد ہے اور دفع فساد لازم۔

(فتاوی رضویہ، جلد 7، صفحہ 286، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

والله تعالى اعلم وعلمه جل مجده أتم وأحكم

كتبه: ابو حمزه محمد آصف مدنى عفى عنه

13 رجب المرجب 1441ھ 9 مارچ 2020

الجواب صحيح

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري

اسلامی ملک میں مندر بنانا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ

(1) اسلامی ریاست کے دارالحکومت میں مندر بنانا کیسا؟

(2) اسلامی ریاست میں مندر بنانے کی اجازت دینا اور اس کے لئے چندہ دینا کیسا ہے؟

(3) زید نے مندر بنانے کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ "میں نے عید کی نماز چرچ (عیسائیوں کے گرجاگھر) میں پڑھی ہے۔

(4) اور کہا کہ "کسی مذھب کو دوسرے مذھب پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔" اس کا ایسا کہنا شرعا کیسا ہے؟

جواب مدلل و مفصل دیں۔ بینوا و توجروا سائل: عبد اللہ

الجواب

(1) دارالاسلام (اسلامی ریاست) میں نئے مندر، چرچ (گرجاگھر) وغیرہ بنانے کی شرعا اجازت نہیں ہے، البتہ جو پہلے سے بنے تھے انہیں باقی رکھا جائے گا، اگر وہ خود بخود گر جائیں تو انہیں دوبارہ بنانے کی اجازت ہے، لیکن ان کے بدلے کسی دوسری جگہ بنانے کی اجازت نہیں کیونکہ یہ بھی نیا بنانے کے حکم میں ہے، بالخصوص جن شہروں کو مسلمانوں نے آباد کیا (جیسے پاکستان کا دارالحکومت، اسلام آباد جسے اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ریاست نے 1962ء میں آباد کیا) ان میں غیر مسلموں کی عبادت گاہ بنانا قطعا جائز نہیں۔ اگرچہ وہ خود اپنے چندے سے جگہ خرید کر بنانا چاہیں تب بھی جائز نہیں۔

(2) دارالاسلام میں مندر بنانے کی اجازت بادشاہ اسلام بھی نہیں دے سکتا کہ یہ کفر و شرک کی اجازت دینا ہے جو کہ خود کفر ہے لہذا اس کی اجازت دینا بھی ہرگز کسی کیلئے جائز نہیں۔ اور اس کیلئے مسلمانوں کا یا اسلامی ریاست کا چندہ دینا بھی ناجائز و گناہ بلکہ کفر ہے کہ کفر و شرک کی اعانت (مدد کرنا) بھی کفر ہے۔

(3) زید کا یہ کہنا کہ اس نے چرچ (گرجاگھر) میں عید کی نماز پڑھی سخت بے باکی بلکہ حرام ہے، کہ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں میں جانا ہی ناجائز و گناہ ہے تو وہاں نماز پڑھنا بدرجہ اولیٰ حرام۔

(4) اور زید کا دارالاسلام کے دارالحکومت میں مندر بنانے کی حمایت کرتے ہوئے یہ کہنا کہ "کسی مذھب کو دوسرے مذھب پر فوقیت حاصل نہیں" قرآن مجید فرقان حمید کی بے شمار آیات کریمہ کا انکار ہے جو کہ سخت کفر۔ اللہ رب العزت نے اسلام کو بطور دین پسند فرمایا اور اسے دین حق فرمایا، اور اس کے علاوہ کسی اور دین کو اختیار کرنے کو رد فرمایا، پھر اسلام شرک و کفر کو مٹانے والا ہے جبکہ دیگر مذاھب کفر و شرک کو عام کرنے والے، اسلام اللہ رب العزت کا پسندیدہ دین حق ہے جبکہ کفر و شرک شیطان کا راستہ، اسلام توحید کا داعی ہے جبکہ دیگر مذاھب توحید کے مخالف تو پھر دوسرے مذاھب

اسلام کے برابر کیسے ہوگئے، زید کے یہ جملے سخت کفریہ ہیں۔ مندر کی حمایت کرنا کیا کم کفر تھا جو توہین اسلام بھی کر دی۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

لہٰذا زید و بکر یا جو بھی افراد جنہوں نے دارالاسلام کے دارالحکومت میں مندر بنانے کی تائید و حمایت کی ہے، یا مندر بنانے میں چندہ دیں گے، یا اس کی کسی بھی طرح کی معاونت کر رہے ہیں یا کریں گے، ان پر حکم کفر ہے، ان کے تمام نیک اعمال برباد ہوگئے، ان کی بیویاں نکاح سے نکل گئیں، ان پر جلد از جلد توبہ و تجدید ایمان و تجدید نکاح فرض ہے، اگر اسی حالت میں مر جائیں تو ان کا جنازہ پڑھنا، دعائے مغفرت کرنا سب ناجائز و حرام ہے۔ اب اس کی بالترتیب تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

1:- در مختار میں ہے:

"(ولا) يجوزان (يحدث بيعة، ولا كنيسة ولا صومعة، ولا بيت نار، ولا مقبرة) ولا صنماً۔ حاوى (فى دار الاسلام) ولو قرية فى المختار۔ فتح)"

ترجمہ: دارالاسلام نئے بیعۃ (عیسائیوں کے عبادت خانے یعنی گرجا گھر) کنیسہ (یہودیوں کے عبادت خانے) صومعہ (راہبوں کا عبادت خانہ) آتش کدہ (آتش پرست، مجوسیوں وغیرہ کا عبادت خانہ) ان کا قبرستان اور بت خانہ (مندر وغیرہ) بنانا جائز نہیں ہے اگرچہ کسی دیہات میں بنانا چاہیں، یہی مختار ہے، اور فتح القدیر میں اسی طرح ہے۔

(الدر المختار" و "رد المحتار"، کتاب الجهاد، فصل في الجزية، مطلب: في أحكام الكنائس... إلخ، ص ۳۱۴-۳۲۰)

رد المحتار مع در مختار میں ہے:

"فلو صارت مصر اللمسلمين منعوا من الاحداث، ولا تترك لهم الكنائس القديمة ايضا، لكن لا تهدم، بل يجعلها مساكن لهم، لانها مملوكة لهم، بخلاف ما صالحهم عليها قبل الظهور عليهم، فانه يترك لهم القديمة ويمنعهم من الاحداث بعد ما صارت من امصار المسلمين۔ اه۔ ملخصاً"

یعنی دارالاسلام ہونے کے بعد ذمی اب نئے گرجے (عیسائیوں کے عبادت خانہ) اور بت خانے (مندر) اور آتش کدہ (مجوسیوں کا عبادت خانہ) نہیں بنا سکتے اور پہلے کے جو ہیں وہ باقی رکھے جائیں گے، گرائیں گے نہیں۔ اگر لڑ کر شہر کو فتح کیا ہے تو وہ رہنے کے مکان ہوں گے کیونکہ وہ انہیں کی ملکیت ہیں اور صلح کے ساتھ فتح ہوا تو بدستور عبادت خانے رہیں گے۔ اور مسلمانوں کا شہر ہونے کے بعد نئے عبادت خانے بنانے سے روکا جائے گا۔

(الدر المختار" و "رد المحتار"، کتاب الجهاد، فصل في الجزية، مطلب: في أحكام الكنائس... إلخ، ص ۳۱۴-۳۲۰)

بدائع الصنائع میں ہے:

"یمنعون من احداث الکنائس فی امصار المسلمین قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم :"لاخصاء فی الاسلام ولا کنیسۃ"ای لایجوز اخصاء الانسان والااحداث الکنیسۃ فی دار الاسلام"

ترجمہ:عیسائیوں کو مسلمانوں کے شہروں میں نئے کنیسے بنانے سے منع کیاجائے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"خصی کرنااور کنیسہ بنانا اسلام میں نہیں ہے"یعنی انسان کو خصی کرنااور دارالاسلام میں نیا کنیسہ بنانا جائز نہیں۔

(بدائع الصنائع،کتاب الاجارہ،فصل:واماشرائط الرکن فانواع جلد4،صفحہ 176،دارالکتب العلمیہ:بیروت،لبنان)

اسی میں ہے:

"(واما)احداث کنیسۃ اخری فیمنعون عنہ فیماصار مصرا من امصار المسلمین لقولہ علیہ الصلاۃ والسلام لاکنیسۃ فی الاسلام ای فی دار الاسلام ولو انھدمت کنیسۃ فلھم ان یبنوھا کما کانت لان لھذاالبناء حکم البقاء ولھم ان یستبقوھا فلھم ان یبنوھا ولیس لھم ان یحولوھا من موضع الی موضع آخر لان التحویل من موضع الی موضع آخر حکم احداث کنیسۃ اخری (واما)فی القری اوفی موضع لیس فی امصار المسلمین فلایمنعون من احداث الکنائس۔۔۔لان الممنوع اظہار شعارئر الکفر فی مکان اظہار شعائر الاسلام وھو امصار المسلمین ۔۔۔۔انہ لایتعرض لکنائسھم القدیمۃ ولکنھم لوارادواان یحدثوا اشیئامنھا یمنعوامن ذلک لانھاصارت مصرا من امصار المسلمین واحداث الکنیسۃ فی مصر من امصار المسلمین ممنوع عنہ شرعافان مصرا الامام للمسلمین کمامصر سیدناعمر رضی اللہ عنہ الکوفۃ والبصرۃ فاشتری قوم من اھل الذمۃ دوراوارادواان یتخذوافیھا کنائس لایمکنوامن ذلک لماقلناو کذلک لوتخلی رجل فی صومعتہ منع من ذلک لان ذلک فی معنی اتخاذ الکنیسۃ"

ترجمہ:مسلمانوں کے شہر میں نئے کنیسے(گرجاگھر وغیرہ)بنانا ممنوع ہے،کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے:اسلام یعنی دارالاسلام میں کنیسہ (بنانا جائز) نہیں ہے،اگر خود بخود (اس کی عمارت) گرجائے توان کیلئے جائز ہے کہ جیسے تھاویسے دوبارہ بنادیں کیونکہ حکم بقاء اسی تعمیر نو کی وجہ سے ہے،کیونکہ جب انہیں اس کی حفاظت کی اجازت ہے تواسے دوبارہ تعمیر کرنے کی بھی اجازت ہے۔البتہ ان کیلئے اسے دوسری جگہ منتقل کرنا جائز نہیں،کیونکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا نیا کنیسہ بنانے کے حکم میں ہے۔اور بہر حال کسی ایسی بستی یا جگہ میں بنانا جہاں مسلمان آباد نہ ہوں تویہاں نیا کنیسہ بنانا منع نہیں۔۔۔۔۔(کچھ آگے فرماتے ہیں)کیونکہ شعائر اسلام کے اظہار کی جگہوں پر شعائر کفر کا اظہار کرنا منع ہے اور(شعائر اسلام کے اظہار کی جگہ)مسلمانوں کے شہر ہیں۔۔۔۔۔۔(آگے فرماتے ہیں)ان کے قدیم کنیسے نہیں گرائے جائیں گے،لیکن اگر وہ نئے بنانا چاہیں توانہیں روک دیاجائے گا،کیونکہ مسلمانوں کے شہروں میں سے ایک شہر ہے،اور مسلمانوں کے شہروں میں نئے کنیسے بنانا شرعا منع ہے،پھر اگر کسی شہر کو بادشاہ اسلام نے

مسلمانوں کیلئے آباد کیا جیسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ اور بصرہ کو مسلمانون کیلئے آباد کیا، تو ذمی (کفار) میں سے ایک قوم نے وہاں گھومنے پھرنے کیلئے جگہ خریدی، حالانکہ ان کا ارادہ اس میں نئے کینسے بنانے کا تھا، تو انہیں اس کی اجازت نہیں دی گئی، اسی وجہ سے جو ہم بتا چکے ہیں، اسی طرح اگر کوئی (راہب) شخص اپنی (پوجا پاٹ کے) کمرے میں تنہائی میں (پوجا پاٹ) شروع کر دے تو اسے اس سے روک دیا جائے گا کیونکہ یہ بھی نیا کنیسہ بنانے کے معنی میں ہی ہے۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب السیر، مطلب واما ملیخذبہ اھل الذمۃ الخ، جلد 7، صفحہ 114، دار لکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** علیہ الرحمۃ الرحمن فرماتے ہیں:

"کفر کے اہتمام میں شریک ہونا اور اس پر راضی ہونا کفر ہے الرضا بالکفر کفر (کفر پر راضی ہونا کفر ہے۔ت) وہ لوگ اسلام سے نکل گئے اور ان کی عورتیں ان کے نکاح سے۔۔۔۔۔۔ مندروں کی اعانت بتوں کی زینت وغیرہ، اور ان پر راضی ہونا کفر ہے۔" (فتاوی رضویہ، 21، صفحہ 297، رضا فانڈیشن: لاہور)

شارح بخاری **مفتی محمد شریف الحق امجدی** علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"جو شخص مندر تعمیر کروائے۔۔۔۔۔وہ اسلام سے خارج ہو کر کافر و مرتد ہو گیا کہ یہ کفر و شرک پر رضا بھی ہے اور اعانت بھی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"انکم اذا مثلھم "یعنی اب تم بھی انہیں لوگوں جیسے ہو۔ (سورۃ النساء، پارہ 5، آیت 140)

(فتاوی شارح بخاری، جلد 2، صفحہ 567، مکتبہ برکات اہلسنت: کراچی)

اور ایک جگہ فرماتے ہیں:

"مندر بنانا اس میں بت رکھنا لوگوں کو اس میں پوجا کرنے کی کھلی چھٹی دینا دو دو کفر پر مشتمل ہے۔ کفر و شرک پر اعانت (اور) کفر و شرک پر رضا (راضی ہونا) یہ دونوں الگ کفر ہیں۔

(فتاوی شارح بخاری، جلد 2، صفحہ 572، مکتبہ برکات اہلسنت: کراچی)

کم از کم اس میں مسلمانوں کو فتنہ پر پیش کرنا ہے جیسا کہ امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"جس کی سکونت سے مسلمانوں کے عقائد یا اعمال میں فتنہ وضلال کا اندیشہ وخیال ہو اسے جگہ دینا معاذاللہ مسلمانوں کو فتنہ پر پیش کرنا ہے، تو "یحبون ان تشیع الفاحشۃ "(وہ چاہتے ہیں کہ فحاشی پھیلے۔) (القرآن الکریم: ۲۴/ ۱۹) حقیقۃ (فحاشی) نہ سہی اس کی طرف منجر (فحاشی کی طرف لے جانے والی تو) ہے۔

"وانما الدین النصح لکل مسلم"
دین تو یہی ہے کہ سب مسلمانوں کی خیر خواہی کیجئے۔
(صحیح البخاری کتاب الشروط باب مایجوز من الشروط الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ / ۳۷۵)
(صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان ان الدین النصیحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ / ۵۵۔۵۴)
(فتاوی رضویہ، جلد19، صفحہ 442، رضافاؤنڈیشن:لاہور)

2:- امام اہلسنت **امام احمد رضاخان قادری** علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں:
سلطانِ اسلام ہرگز کفار کو مراسمِ کفر کی اجازت نہیں دے سکتا، کیا اجازت کفر دے کر خود کافر ہوگا بلکہ "**نترکھم ومایدینون**" (انہیں ہم ان کے دین پر چھوڑدیں گے) یعنی جہاں جس بات کا ازالہ کا حکم نہیں وہاں تعرض نہ کرے گا نہ یہ کہ ان سے کہے گا کہ ہاں ایسا کرو۔
رسالہ علامہ شرنبلالی پھر ردالمحتار میں ہے:
"**لیس المراد انہ جائز، نامرھم بہ بل بمعنی نترکھم ومایدینون فھو من جملۃ المعاصی التی یقرون علیھا کشرب الخمرونحوہ، ولانقول ان ذٰلک جائزلھم فلایحل للسلطان ولاللقاضی ان یقول لھم افعلوا ذٰلک ولاان یعینھم علیہ**"۔
ترجمہ: جائز سے یہ مراد نہیں کہ ہم اس کا امر کرتے ہیں بلکہ معنٰی یہ ہے کہ ہم انہیں ان کے دین پر چھوڑتے ہیں پس یہ ان کے ان معاصی سے ہے جن پر وہ قائم رہتے ہیں مثلاً شراب پیناوغیرہ، اور یہ نہیں کہتے کہ انکو جائز ہیں تو بادشاہ اور قاضی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ انہیں کہے تم یہ کام کرواور نہ یہ کہ وہ ان کی مدد کریں۔
(ردالمحتار کتاب الجہاد فصل فی الجزیہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۷۲)
(فتاوی رضویہ، کتاب السیر، جلد14، صفحہ 138،137، رضافاؤنڈیشن:لاہور)

شارح بخاری **مفتی شریف الحق امجدی** علیہ الرحمہ سے سوال ہوا کہ
"اگر کوئی مسلم مکھیایا معزز شخص مندر بنوانے۔۔۔کی اجازت سیاسی مفاد یا ذاتی اغراض کیلئے دے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟
آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:
"مندر بنوانے کی اجازت ۔۔۔۔دینا بھی کفر ہے کہ یہ بھی رضا بالکفر ہے، ان لوگوں کو پہلے سمجھایا جائے اور توبہ کرایا جائے اور انہیں دوبارہ کلمہ پڑھا کر مسلمان بنایا جائے ان کی بیویوں سے دوبارہ ان کا نکاح کرایا جائے، اگر مان جائیں

فبہاورنہ ان سے میل جول، سلام، کلام بند کر دیا جائے۔ اگر اسی حال میں مر جائیں تو ان کے کفن ودفن اور جنازہ میں شرکت حرام و گناہ بلکہ منجر الی الکفر ہے۔

(فتاوی شارح بخاری، جلد2، صفحہ 626، مکتبہ برکات اہلسنت: کراچی)

اور فرماتے ہیں: "مندر کی تعمیر کیلئے چندہ دینا حرام قطعی و گناہ عظیم ہے۔ بلکہ منجر الی الکفر (کفر کی طرف لے جانے والا) ہے۔

اسی صفحہ پر فرماتے ہیں:

"نقدیا جنس دینا حرام سخت حرام بلکہ منجر الی الکفر ہے دینے والے پر توبہ فرض ہے۔

(فتاوی شارح بخاری، جلد2، صفحہ 574، مکتبہ برکات اہلسنت: کراچی)

3:- امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"مندر ماوائے شیاطین (شیطانوں کا ٹھکانہ) ہے۔ اس میں مسلمانوں کو جانا منع ہے۔"

ردالمحتار میں ہے:

"فی التتار خانیۃ یکرہ للمسلم الدخول فی البیعۃ و الکنیسۃ حیث انہ مجمع الشیاطین قال فی البحر الظاہر انہا تحریمۃ لانہا المرادۃ عند اطلاقہم اھ فاذا حرم الدخول فالصلٰوۃ اولی"۔

فتاوٰی تاتارخانیہ میں ہے کسی مسلمانوں کو یہودیوں، عیسائیوں کے گرجوں میں جانا مکروہ ہے اس لئے کہ وہ شیطانوں کے جمع ہونے کے مکانات ہیں، بحر الرائق میں فرمایا ظاہر یہ ہے کہ یہاں کراہت سے کراہۃ تحریمی مراد ہے کیونکہ اطلاق کے وقت یہی مراد ہوا کرتی ہے اھ جب وہاں جانا حرام ہے تو پھر نماز پڑھنا بدرجہ اولٰی حرام ہے۔

(ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱ /۲۵۴)

(فتاوی رضویہ، جلد 21، صفحہ 272، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

4:- اللہ رب العزت کا فرمان عالیشان ہے:

"اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ"

ترجمہ: پسندیدہ دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔ (پ3، اٰل عمرٰن:19)

اور فرماتا ہے: "اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا"

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔ (پ6، سورۃ المائدہ، آیت 3)

اور فرمایا: "هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ"

ترجمہ: یہ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے اللہ کا نور بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو مکمل کئے بغیر نہ مانے گا اگرچہ کافر ناپسند کریں۔ وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔

اورارشاد فرمایا: "وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلٰمِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ"

ترجمہ: اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے گا تو وہ اس سے ہر گز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔ (پارہ 3، سورۃ آل عمران، آیت 85)

اللہ تعالیٰ نے واضح طور قرآن پاک میں کئی جگہ فرمادیا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک پسندیدہ دین صرف اسلام ہے اور اسلام کے علاوہ کوئی دین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اِس زمانے میں معتبر نہیں۔ اسلام کے علاوہ کوئی کسی دین کی اخلاقی باتوں پر جتنا چاہے عمل کرلے جب تک مکمل طور پر بطورِ عقیدہ اسلام کو اختیار نہیں کرے گا اس کا کوئی عمل بارگاہِ الٰہی میں مقبول نہیں اور اس امت کی فضلیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ"

ترجمہ: (اے مسلمانو!) تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی ہدایت) کے لئے ظاہر کی گئی، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہلِ کتاب (بھی) ایمان لے آتے تو ان کے لئے بہتر تھا، ان میں کچھ مسلمان ہیں اور ان کی اکثریت نافرمان ہیں۔ (پارہ4، سورۃ آل عمران، آیت 110)

یہودیوں میں سے مالک بن صیف اور وہب بن یہودا نے حضرت عبد اللہ بن مسعود وغیرہ صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم سے کہا کہ "ہم تم سے افضل ہیں اور ہمارا دین تمہارے دین سے بہتر ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر خازن، سورۃ آل عمران، تحت الآیۃ: ۱۱۰، ۱/۲۸۷)

اوراللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ کو تمام امتوں سے افضل قرار دیا۔ حضرت علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللہ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم سے روایت ہے، حضور پر نور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

"مجھے وہ کچھ عطا کیا گیا جو کسی اور نبی کو عطا نہیں کیا گیا۔ ہم نے عرض کی: یارسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ، وہ کیا ہے؟

ارشاد فرمایا"رُعب کے ساتھ میری مدد کی گئی، مجھے زمین کی کنجیاں عطا کی گئیں، میرا نام احمد رکھا گیا، میرے لئے مٹی کو پاکیزہ کرنے والی بنادیا گیا اور میری امت کو بہترین امت بنادیا گیا۔

(مسند امام احمد: ومن مسند علی بن ابی طالب، جلد1، صفحہ 211، حدیث: 763)

اور فرمایا: "ہُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ"

ترجمہ: اس رب نے تمہارانام مسلم رکھا۔ (پ17، الحج: 78)

اور فرمایا: "لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآىٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآىٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِیْنَ"

ترجمہ: بہانے نہ بناؤ تم ایمان ظاہر کرنے کے بعد کافر ہو چکے۔ اگر ہم تم میں سے کسی کو معاف کر دیں تو دوسروں کو عذاب دیں گے کیونکہ وہ مجرم ہیں۔ (پارہ10، سورۃ التوبہ، آیت66)

اللہ تعالیٰ نے منافقین کی جانب سے پیش کردہ عذر و حیلہ قبول نہ کیا اور ان کے لئے یہ فرمایا کہ بہانے نہ بناؤ تم ایمان ظاہر کرنے کے بعد کافر ہو چکے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان ایسی چیز نہیں کہ جو دنیا میں کبھی کسی سے ختم ہی نہیں ہو سکتی کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کے ایمان کا ذکر فرمایا پھر ان کا ایمان ختم ہو جانے کا ذکر فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں مسلمان ہونے کے بعد کوئی کافر ہو سکتا ہے۔

امام اہلسنت **امام احمد رضاخان قادری** علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"انھوں نے اللہ واحد قہار جل جلالہ اور اس کے رسول حبیب مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایذا دی ابلیس لعین کے قدموں پر اس کی پیروی کی نام اسلام کو ذلیل کیا کفر و کفار کو فروغ دیا غضب الٰہی اپنے سر پر لیا اپنی ملعونہ حرکات سے عرش الٰہی کو لرزادیا کفار کے ساتھ ان کے خاص دفتر میں اپنا چہرہ دکھایا اللہ اور رسولوں اور ملائکہ سب کی لعنت کے کام کئے

"ھم للکفر یومئذ اقرب منھم اللایمان"

(وہ لوگ اس دن ایمان کی بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔) میں صراحۃ داخل ہوئے ان پر ہر فرض سے اعظم فرض ہے کہ اپنی ان کفری حرکات سے علی الاعلان توبہ کریں نئے سرے سے کلمہ اسلام پڑھیں پھر اپنی عورتوں کو رکھنا ہو تو ان سے دوبارہ نکاح کریں۔

الجواب صحیح
أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري

واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم
کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ
17 ذوالقعدہ الحرام 1441ھ 9 جولائی 2020

قریشی، صدیقی اور فاروقی کو زکوۃ دے سکتے ہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ سادات کرام کی طرح قبیلہ قریش سے تعلق رکھنے والے لوگ بالخصوص صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد جو صدیقی اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد جو فاروقی کہلاتے ہیں انہیں بھی زکوۃ نہیں دے سکتے؟ بینوا وتوجروا
سائل: محمد عامر (یونان)

الجواب

زکوۃ وفطرہ اور دیگر صدقات واجبہ ہاشمی اور سادات کرام کو نہیں دے سکتے، ہاں! صدقات نافلہ بطور نذرانہ پیش کر سکتے ہیں، اس کے علاوہ ہر قبیلہ وفرد جو مستحق ہو اسے زکوۃ وفطرہ ودیگر صدقات واجبہ دے سکتے ہیں، ہاشمی سے مراد حضرت عبد المطلب کے بیٹے حضرت عباس وحارث اور پوتے حضرت مولیٰ علی وحضرت جعفر وعقیل رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اولادیں ہیں، جبکہ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجھہ الکریم کی جو اولاد حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہیں ان کو اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد کو سید کہا جاتا ہے۔ یاد رہے! ہر سید ہاشمی ضرور ہے مگر ہر ہاشمی سید ہو یہ ضروری نہیں۔ امیر المؤمنین صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ عنہما اگرچہ قبیلہ قریش کی مقدس ترین ہستیاں ہیں لیکن ہاشمی ہر گز نہیں لہذا ان کی اولاد کو دیگر صدقات واجبہ کی طرح زکوۃ وفطرہ دینا بھی بالکل جائز ہے جبکہ وہ مستحق ہوں، ورنہ نہیں۔ اب اسکی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

امام مسلم بن حجاج قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان ھذہ الصدقات انما ھی اوساخ الناس وانھا لاتحل لمحمد ولا لآل محمد صلیٰ اللہ علیہ وسلم،،

ترجمہ: یہ صدقات لوگوں کے (اموال کے) میل ہی ہیں اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور محمد صلیٰ اللہ علیہ وسلم کی آل کیلئے حلال نہیں۔ (صحیح مسلم، جلد 1، کتاب الزکوۃ، صفحہ 403، حدیث 2482، مطبوعہ لاہور)

اس پر اس نام سے باب باندھا گیا ہے:

"باب تحریم الزکوۃ علیٰ رسول اللہ صلی للہ علیہ وسلم وعلیٰ اٰلہ وھم بنو ھاشم وبنو المطلب دون غیرھم،،

(یعنی رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وسلم اورآپ کی آل پر زکوۃ کا حرام ہونا نہ کہ ان کے علاوہ پر اورآپ کی آل بنوہاشم وبنو عبد المطلب ہیں)

امام مسلم علیہ الرحمہ کے اس باب سے ثابت ہوا کہ بنوہاشم وبنو عبد المطلب بھی آلِ محمد ہیں۔

امام بغوی تفسیر بغوی المروف بہ معالم التنزیل میں فرماتے ہیں:

"قال زید بن ارقم اھل البیت من حرم الصدقة بعده آل علی و آل عقیل و آل جعفر و آل عباس،،

یعنی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیت وہ سب لوگ ہیں جن پر صدقہ کا مال لینا حرام کر دیا گیا۔ یعنی اولاد علی، اولاد جعفر، اولاد عقیل، اولاد عباس، اوراولاد حارث بن عبد المطلب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

(تفسیر معالم التنزیل، جلد5، سورۃ الاحزاب، آیت 33، صفحہ 138، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"تصرف الزکوۃ الی اولاد کل اذا کانوا مسلمین فقراء الا الاولاد عباس وحارث واولاد ابی طالب من علی وجعفر وعقیل"

ترجمہ: زکوۃ ہر ایک کی اولاد کو دے سکتے ہیں جبکہ وہ مسلمان فقراء ہوں سوائے آل عباس وآل حارث اورآل علی وآل جعفر وآل عقیل کے۔ (ردالمحتار علی در مختار، جلد3، صفحہ 350، مطبوعہ: لاہور)

امام اہلسنت **امام احمد رضاخان قادری** علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"زکوۃ سادات کرام وسائر (تمام) بنی ہاشم پر حرام قطعی ہے جس کی حرمت پر ہمارے آئمہ ثلاثہ بلکہ آئمہ مذاہب اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اجماع قائم۔

امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "المیزان الکبرٰی،، میں فرماتے ہیں:

"اتفق الائمة الاربعة علیٰ تحریم الصدقة المفروضة علی بنی ھاشم وبنی عبدالمطلب وھم خمس بطون آل علی وآل العباس وأل جعفر وأل عقیل وأل الحارث بن عبدالمطلب ھذامن مسائل الاجماع والاتفاق اھ(ملخصا)،،

ترجمہ: اس پر بھی اتفاق ہے کہ فرض صدقہ بنوہاشم اوربنو عبد المطلب کو لینا حرام ہے اوروہ پانچ شاخہائے قبیلہ ہیں (1) اولاد علی (2) آل عباس (3) اولاد جعفر (4) اولاد عقیل (5) آل حارث بن عبد المطلب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) یہ اجماعی اوراتفاقی مسائل میں سے ہے۔ (ملخصًا) (فتاوی رضویہ، جلد10، کتاب الزکوۃ، صفحہ 99۔ رضافاؤنڈیشن لاہور)

صدر الشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں:

"بنی ہاشم کو زکوۃ نہیں دے سکتے، نہ غیر انہیں دے سکے، نہ ایک ہاشمی دوسرے ہاشمی کو۔ بنی ہاشم حضرت علی و جعفر و عقیل اور حضرت عباس و حارث بن عبد المطلب کی اولادیں ہیں۔ ان کے علاوہ جنھوں نے نبی صلیٰ اللہ علیہ وسلم کی اعانت نہ کی مثلاً ابو لہب کہ اگرچہ یہ کافر بھی حضرت عبد المطلب کا بیٹا تھا مگر اسکی اولادیں بنی ہاشم میں شمار نہ ہوں گی"۔

(بہار شریعت، جلد 1، حصہ 5، زکاۃ کا بیان، صفحہ 931، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

الجواب صحیح **واللہ تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ أتم و أحکم**

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري **کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ**

14 ذوالحجۃ الحرام 1441ھ 4 اگست 2020

کیا امہات المؤمنین پر عدت واجب تھی؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ کیا امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنھن پر عدت وفات واجب تھی؟ سائل: عبد اللہ

الجواب

امت کیلئے حکم شرعی یہ ہے کہ شوہر کی وفات کے بعد بیوہ پر 4 ماہ 10 دن عدت گزارنا واجب ہے کیونکہ امتی کی وفات سے اس کا نکاح ختم ہو جاتا ہے جبکہ انبیاء کرام علیھم السلام کی خصوصیت ہے کہ ان کی خدمت اقدس میں موت صرف وعدہ الٰہیہ "کل نفس ذائقة الموت" (ہر جان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے) کے تحت ایک آن ولمحہ کیلئے حاضر ہوتی ہے اور پھر انہیں اسی حقیقی و دنیاوی وجسمانی زندگی کیساتھ زندہ فرمایا دیا جاتا ہے، اوران کی ظاہری وفات سے ان کا نکاح ختم نہیں ہوتا، کیونکہ یہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور رزق دیئے جاتے اور نمازیں پڑھتے ہیں، اور جو زندہ ہو اس کی بیوی نہ بیوہ ہوتی ہے اور نہ ہی اس پر کوئی عدت، اور آیت کریمہ "والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً" (تم میں سے جو بیویاں چھوڑ کر مریں) میں خطاب امت سے ہے نہ کہ نبی کریم ﷺ سے۔ لہذا بالعموم دیگر انبیاء کرام علیھم السلام اور بالخصوص امام الانبیاء ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کی ازواج پاک امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنھن کو بعد وفات اقدس نہ کسی دوسرے سے نکاح کرنے کی اجازت تھی اور نہ ہی ان پر شرعاً عدت لازم تھی۔

نبی الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الأَنْبِيَاءِ"

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیا علیہم السلام کے اَجسام کھانا، زمین پر حرام کر دیا ہے۔

(المسند"، لِلامام اَحمد بن حنبل، ج ۵، ص ۴۶۳، الحدیث: ۱۶۱۶۲)

(المستدرک" للحاکم، کتاب الجمعۃ، الحدیث: ۱۰۶۸، ص ۵۶۹)

(سنن ابن ماجہ"، کتاب الجنائز، باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، الحدیث: ۱۶۳۷، ج ۲، ص ۲۹۱)

(سنن اَبي داود"، کتاب الصلاۃ، باب فضل یوم الجمعۃ ولیلۃ الجمعۃ، الحدیث: ۱۰۴۶، ج ۱، ص ۳۹۱)

(سنن النسائي"، کتاب الجمعۃ، باب إکثار الصلاۃ علی النبي صلی اللہ علیہ وسلم یوم الجمعۃ، الحدیث: ۱۳۷۱، ص ۲۳۷)

اور سنن ابن ماجہ اور مشکوۃ المصابیح میں اس حدیث پاک میں یہ الفاظ زائد ہیں: **"فَنَبِيُّ اللهِ حَيٌّ يُرْزَقُ"**

ترجمہ: تو اللہ (عزوجل) کے نبی زندہ ہیں، روزی دیے جاتے ہیں۔

(مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ، ۱/ ۲۶۵، الحدیث: ۱۳۶۶)

(سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، الحدیث: ۱۶۳۷، ج ۲، ص ۲۹۱)

دوسری صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:- **"الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون"**۔

یعنی انبیاء کرام علیھم السلام اپنے مزارات طیبہ میں زندہ ہیں نمازیں پڑھتے ہیں۔

(مجمع الزوائد باب ذکر الانبیاء علیہم السلام دار الکتاب بیروت ۸/ ۲۱۱)

(مسند ابی یعلٰی حدیث ۳۴۱۲ مؤسسۃ علوم القران بیروت ۳/ ۳۷۹)

علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ "مراقی الفلاح" میں ہے:

"ومما ھو مقرر عند المحققین انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یرزق ممتع بجمیع الملاذ و العبادات غیر انہ حجب عن ابصار القاصرین عن شریف المقامات"۔

ترجمہ: محققین علماء کے نزدیک جو تسلیم شدہ عقیدہ ہے وہ یہ کہ بیشک نبی کریم ﷺ زندہ ہیں اور رزق دیئے جاتے ہیں، جمیع عبادات ولذات والی اشیاء سے لذت حاصل کرتے ہیں، لیکن جو بلندرتبہ کو نہیں پہنچ سکے آپ ﷺ ان کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔

(نور الایضاح مع مراقی الفلاح، کتاب الحج، فصل فی زیارۃ النبی صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم، ص ۳۸۰)

حضرت **شیخ عبد الحق محدث دہلوی** (رحمۃ اللہ علیہ) اپنی کتاب تکمیل الایمان میں لکھتے ہیں:

"مقام نبوت و رسالت بعد از موت ثابت است وخود انبیاء را موت نبود وایشان حی و باقی اند وموت ہماں است کہ یکبار چشیدہ اند بعد ازاں ارواح را بہ ابدان ایشان اعادہ کنند وحقیقت حیات بخشند چنانچہ در دنیا بودند کامل تر از حیات شہدا کہ آں معنوی است۔

یعنی کمالِ نبوت ورسالت مرنے کے بعد بھی ثابت رہتا ہے اور خود نبی لوگ مرتے نہیں وہ لوگ زندہ اور باقی ہیں ان کے لیے موت بس اتنی ہے کہ ایک بار چکھا اور پھر اس کے بعد ان کی روحیں ان کے بدن میں واپس کردی گئیں اور ان کو وہی اصل زندگی دے دی گئی جیسی کہ دنیا میں تھی یہ ان کی زندگی شہیدوں کی زندگی سے کہیں بڑھ کر ہے۔

(تکمیل الایمان، صدور کبائر از انبیاء جائز نیست، ص ۱۲۲)

امام اہلسنت **امام احمد رضاخان قادری** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

حیاتِ انبیاء علیہم الصلوۃ والثناء کا منکر گمراہ بد دین ہے۔۔۔انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سب بحیاتِ حقیقی دنیاوی جسمانی زندہ ہیں۔ (فتاوی رضویہ، جلد29، صفحہ 111، رضافاؤنڈیشن:لاہور)

چنانچہ علامہ ابن حجر قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ میں فرماتے ہیں:

"وقیل:انما حرمن لانہ علیہ السلام حی فی قبرہ ,ولھذا حکی الماوردی انہ لایجب علیھن عدۃ الوفاۃ"

ترجمہ:ایک قول یہ ہے کہ ازواج مطہرات سے نکاح کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی قبر انور میں زندہ ہیں اسی لئے امام ماوردی نے نقل فرمایا کہ ان پر عدت وفات بھی واجب نہیں تھی۔

(المواہب اللدنیہ، الفصل الرابع، ما اختص بہ من الفضائل والکرامات، جلد7، صفحہ 264، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

اوراس کی شرح میں علامہ عبد الباقی زرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"(وقیل انما حرمن ,لانہ علیہ السلام حی فی قبرہ)ویکون حالہ عندصاحب ذاالقیل کالنائم ,وھذامقابل قولہ تکرمۃ لہ خصوصیۃ ,لانہ یفیدانقطاع نکاحہ بموتہ ,وھذایفیدانہ لم ینقطع,(ولھذا حکی الماوردی)وجھاللشافعیۃ (انہ لایجب علیھم عدہ الوفاۃ)لحیاتہ ومثلہ یقال فی غیرہ من الانبیاء علی قیاسہ,وذکر الخطابی عن ابن عیینۃ انھن فی معنی المعتدات فلھن سکنی البیوت ماعاش ولایملکن رقابھا"

ترجمہ:ایک قول یہ ہے کہ ازواج مطہرات سے نکاح کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی قبر انور میں زندہ ہیں اورآپ قیلولہ کرنے کی حالت میں تشریف فرماہیں جیسے کوئی سونے والا شخص ہوتا ہے اور یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے کیونکہ موت نکاح کے منقطع ہونے کافائدہ دیتی ہے جبکہ نیندیہ فائدہ دیتی ہے کہ نکاح منقطع نہیں ہوا۔(جب نکاح ہی منقطع نہیں ہواتو عدت کیسی ؟)اسی وجہ سے امام ماوردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بیشک ان پر عدت وفات واجب

نہیں اور یہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی حیات (یعنی زندہ) ہونے کی وجہ سے ہے، اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے علاوہ دیگر انبیاء کرام (کی ازواج) کی عدت کے بارے میں بھی اسی پر قیاس کرتے کہا گیا (کہ ان پر بھی عدت نہیں ہے)

(شرح زرقانی علی المواہب، الفصل الرابع ما اختص بہ من الفضائل والکرامات، جلد 7، صفحہ 264، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

حکیم الامت **مفتی احمد یار خان نعیمی** رحمۃ اللہ تعالیٰ آیت کریمہ

"والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً"

(ترجمہ: تم میں جو مریں اور بیویاں چھوڑ جائیں) تحت فرماتے ہیں:

"**منکم**" میں مسلمانوں سے خطاب ہے۔ معلوم ہوا کہ کفار کے یہ احکام نہیں نیز یہ احکام نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے (بھی) نہیں ،(یعنی حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ازواج پاک کیلئے عدت واجب نہیں کہ یہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خصوصیت ہے،)(کیونکہ) حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وفات شریف کے بعد ان کی ازواج پاک کسی سے کبھی نکاح نہیں کر سکتیں، کیوں کریں؟ کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم (تو) حیات النبی ہیں، رب فرماتا ہے:

"ولاتنکحواازواجه من بعده ابداً" نہ اس لئے کہ وہ مسلمانوں کی مائیں ہیں، وہ بیویاں احترام میں ماؤں سے بڑھ کر ہیں ، مگر احکام میں مائیں نہیں، اسی لئے ان سے پردہ فرض، ان کی اولاد سے امت کا نکاح درست، ان کی میراث امت کو نہیں ملتی۔ (تفسیر نعیمی، پارہ 2، تحت الآیۃ 234، مکتبہ اسلامیہ: لاہور)

والله تعالی اعلم و علمه جل مجده أتم و أحكم

كتبه: ابو حمزه محمد آصف مدنی عفی عنه

21 ذوالحجۃ الحرام 1441ھ 12 اگست 2020

الجواب صحيح

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري

لڑکی کا والدین کی اجازت کے بغیر نکاح ہو جائے گا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ زید کہتا ہے کہ والدین کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا کہ اس کے بارے میں دلائل موجود ہیں جبکہ بکر کہتا ہے کہ والدین وولی کی اجازت کے بغیر کیا جانے والا نکاح بھی منعقد ہے۔ ان میں کس کا مؤقف درست ہے؟

سائل: مولانا محمد آفتاب الازہری صاحب، UK

الجواب

زید و بکر دونوں کو اس مسئلہ میں کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔ زید کا یہ کہنا کہ والدین کی اجازت کے بغیر نکاح سرے سے ہوتا ہی نہیں یہ درست نہیں اسی طرح بکر کا یہ کہنا کہ والدین کی اجازت کے بغیر ہر صورت میں نکاح ہو جاتا ہے یہ بھی درست نہیں۔ احناف کے نزدیک درست مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت اپنے ولی و سرپرست کی اجازت کے بغیر کسی ایسے شخص سے نکاح کرے جو شرعاً اس کا کُفوٴ بن سکتا ہو تو نکاح منعقد ہو جائے گا لیکن اگر عورت نے غیر کفوٴ سے نکاح کیا تو نکاح نہیں ہو گا۔ شرعاً غیر کفو کا معنی یہ ہے کہ لڑکا مذہب یا نسب یا پیشہ یا چال چلن میں ایسا کم ہو کہ اس کیساتھ لڑکی کا نکاح اس کے اولیاء (سرپرستوں) کیلئے واقعتاً باعث ننگ و عار (شرمندگی کا باعث) ہو۔ اب اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

فرمان باری تعالیٰ ہے: "حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ"۔

ترجمہ: یہاں تک کہ وہ (عورت) دوسرے شوہر سے نکاح کرلے۔ (پارہ 2، سورۃ البقرۃ، آیت: 230)

اس آیت کریمہ کے تحت ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ تفسیرات احمدیہ میں فرماتے ہیں:

"ھھنا۔۔۔اضافتہ الی امراۃ"

ترجمہ: یہاں نکاح کرنے کی اضافت و نسبت عورت کی طرف ہے۔ (کیونکہ "تنکح" واحد مؤنث کا صیغہ ہے)

(تفسیرات احمدیہ، صفحہ 131، مطبوعہ: کراچی)

اور اس سے اگلے صفحہ پر فرماتے ہیں:

"فی قولہ تعالیٰ "تنکح" دلیل علیٰ ان النکاح ینعقد بعبارۃ النساء صرح بہ فی مدارک"

ترجمہ: آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے فرمان "تنکح" (وہ عورت نکاح کرے) میں اس بات کی دلیل ہے کہ "نکاح" عورتوں کی عبارت سے بھی ہو جاتا ہے۔ (یعنی عورت خود ولی کے بغیر ایجاب و قبول کرلے تو نکاح ہو جائے گا، تفسیر مدارک میں اس کی صراحت کی گئی ہے۔ (تفسیرات احمدیہ، صفحہ 132، مطبوعہ: کراچی)

آیت کریمہ اور اس کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اگر ہر صورت میں عورت کے نکاح کرنے سے نکاح نہ ہوتا تو یہ نہ فرمایا جاتا کہ عورت نکاح کرے بلکہ یہ فرمایا جاتا کہ اس کا ولی نکاح کرے۔ جب اس آیت کریمہ اور اس کی تفسیر سے یہ واضح ہو گیا کہ نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے نہ کہ اس کے ولی کی طرف۔ لہٰذا اگر عورت بغیر اجازتِ ولی بذات خود کسی کفوٴ سے نکاح کر لیتی ہے تو وہ منعقد ہو جائے گا کیونکہ اگر وہ منعقد ہوتا ہی نہیں تو عورت کی طرف نکاح کی اضافت و نسبت کرنا درست نہیں رہے گا۔

صحیح مسلم وغیرہا میں صحیح سند کیساتھ ہے:

"قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الایم احق بنفسھا من ولیھا،رواہ الائمۃ مالک واحمد ومسلم وابوداؤدوالترمذی والنسائی وابن ماجۃ وغیرھم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما"

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ بالغ لڑکی اپنے ولی کے مقابلہ میں اپنے بارے میں فیصلہ کی زیادہ حقدار ہے، اس کو امام احمد، مالک، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ وغیر ہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (صحیح مسلم کتاب النکاح، جلد2، حدیث:1037، مطبوعہ:لاہور)

(سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، فصل فی الثیب، جلد1، حدیث:1421، مطبوعہ:لاہور)

جامع ترمذی میں سندِ حسن کیساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

"ان رسول اللہ ﷺ قال:ایماامراۃ نکحت نفسھابغیراذن ولیھافنکاحھاباطل فنکاحھاباطل فنکاحھاباطل۔۔۔اخرجہ الشافعی واحمدوابوداؤدوحسنہ ابن ماجۃ وابوعوانۃ والطحاوی والحاکم وابن حبان"۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بھی عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلے، اس کا نکاح باطل شمار ہوگا، اس کا نکاح باطل شمار ہوگا، اس کا نکاح باطل شمار ہوگا۔

(جامع ترمذی، کتاب النکاح، باب: لانکاح الابالولی، جلد1، صفحہ336، حدیث:1065، مطبوعہ:لاہور)

آیت کریمہ، اس کی تفسیر اور صحیح مسلم کی حدیث مبارکہ سے بظاہر جامع ترمذی کی حدیث متعارض (ٹکراتی) محسوس ہوتی ہے، اسی وجہ سے عموماً بعض لوگ ان میں ایک حدیث کو لیتے ہیں اور دوسری کو چھوڑدیتے ہیں جبکہ فقہ حنفی کا یہ خاصہ ہے کہ ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے کہ دونوں احادیث میں اس طرح مطابقت وموافقت پیدا کی جائے کہ دونوں پر عمل ہوسکے، اگر مطابقت کی کوئی صورت نہ رہے تو قوی دلیل پر عمل کیا جاتا ہے۔

اولاً: فقہاء احناف نے ان دونوں احادیث میں مطابقت قائم فرمائی ہے کہ صحیح مسلم کی حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ عورت اپنے ولی سے زیادہ اپنی حقدار ہے۔ لہٰذا اگر وہ بغیر اجازت ولی اپنا نکاح ایسے شخص سے کرتی ہے جو اس کا شرعاً کفوٴ ہوسکتا ہے تو اس کا اپنے حق کو استعمال کرنے کی بناء پر نکاح منعقد ہوجائے گا، جبکہ جامع ترمذی شریف کی حدیث پاک کا تقاضا یہ ہے کہ عورت بغیر ولی کی اجازت، غیر کفوٴ سے نکاح کرے تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ بلکہ باطل قرار پائے گا۔ اس طرح چونکہ دونوں احادیث پر عمل ممکن ہے لہٰذا احناف دونوں پر ہی عمل کرتے ہیں، کسی کو بھی ترک نہیں کرتے۔

ثانیاً: اگر کسی حدیث کوترک کرنالازم ہو جائے توہم قوی حدیث پر عمل کریں گے اور چونکہ صحیح مسلم کی حدیث سنداً صحیح ہے جبکہ جامع ترمذی کی حدیث سنداً صحیح نہیں بلکہ حسن ہے اوراسی طرح کی دیگر احادیث یا حسن ہیں یاضعیف، اس صورت میں بھی صحیح مسلم کی حدیث پر ہی عمل کرنالازم ہو گا جیسا کہ علماء احناف کا عمل ہے۔

چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"ویترجح هذابقوة السندو الاتفاق علی صحته,بخلاف الحدیثین الاولین فانهماضعیفان اوحسنان,ویجمع بالتخصیص,اوبان النفی للکمال"

ترجمہ:اس(یعنی صحیح مسلم کی)حدیث کوسند کے قوی ہونے کے سبب ترجیح دی جائے گی کیونکہ اس کے صحیح ہونے پر سب کااتفاق ہے۔بر خلاف پہلی دونوں(یعنی جامع ترمذی اوراسکے موافق)حدیثوں کے کہ وہ دونوں یاتوضعیف ہیں یاحسن، یاان احادیث میں تخصیص کرکے مطابقت پیدا کی جائے گی(تاکہ دونوں پر عمل ہو جائے)،یا(جامع ترمذی کی حدیث کو) نفیِ کمال پر محمول کیاجائے گا۔ (ردالمحتار مع در مختار، کتاب النکاح، باب الولی، جلد4، صفحہ 155، مطبوعہ:لاہور)

اسی بناء پر علماء احناف نے فرمایا کہ کفوٴ سے نکاح ہو جائے گا جبکہ غیر کفوٴ سے نہیں ہو گا جیسا کہ

در مختار مع شامی میں ہے:

"نفذنکاح حرةمکلفةبلارضی ولی ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازه اصلاًوهو المختار للفتوی لفسادالزمان"۔

ترجمہ:عاقلہ بالغہ حرہ عورت کا اپنا نکاح ولی کی رضامندی کے بغیر بھی جائز ہے، اور غیر کفو میں کیاتو بالکل ناجائز ہونے کا فتوی دیاجائے گااور فسادزمانہ کی وجہ سے فتوی دینے کیلئے یہی مختار قول ہے۔

(در مختار مع ردالمحتار، کتاب النکاح، باب الولی، جلد4، صفحہ 155۔۔تا۔۔157، مطبوعہ:لاہور)

امام اہلسنت **امام احمد رضاخان قادری** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"کفو کے یہ معنی کہ اس کی قوم یامذہب یااعمال یاپیشے میں بہ نسبت خاندانِ دختر (لڑکی کے خاندان) کے کوئی ایسا قصور (کمی)وعیب نہ ہو جس کے سبب اولیائے دختر (لڑکی کے سرپرستوں)کو عار(شرمندگی)لاحق ہو نہ ایسامحتاج ہو کہ اگر یہ دختر(لڑکی) بالفعل قابل جماع(صحبت کے قابل)ہے تو نفقہ (اخراجات) نہیں دے سکتایاکسی قدر(حَق)مَہر کُل یا بعض ازروئے (کسی)شرط یاحسب رواج(کی وجہ سے) معجل(نقددینالازم) ہے تو فی الحال اس کے ادا (یعنی بیوی کودینے)پر قادر نہیں۔

تنویر میں ہے:

"تعتبر (يعنى الكفاءة) نسبا وحرية واسلاما وديانه ومالا وحرفة"

ترجمہ: کفو ہونے میں نسب، حریت، اسلام، دیانت، مال اور حرفت کا اعتبار ہے۔

(فتاوی رضویہ، جلد 11، کتاب النکاح، باب الولی، صفحہ 523، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

الجواب صحيح | والله تعالى اعلم وعلمه جل مجده أتم وأحكم
أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري | كتبه: ابو حمزه محمد آصف مدنى عفى عنه

10 ربیع الآخر 1441ھ 25 نومبر 2020

نفلی روزہ رکھ کر توڑ دیا تو؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ نفلی روزہ رکھ کر توڑ دیا تو اس کی قضا کرنی ہو گی؟

سائل: مولانا محمد آفتاب الازہری صاحب۔Uk

الجواب

جی ہاں! نفلی روزہ شروع کرنے کے بعد مکمل کرنا شرعاً واجب ہو جاتا ہے، اگر قصداً (جان بوجھ کر) توڑا یا کوئی عارضہ لاحق ہونے کے سبب ٹوٹ گیا۔ مثلاً عورت کو حیض آ گیا، اس کی قضاء واجب ہو گی۔

علامہ علاؤالدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"(لزم نفل شرع فيه قصدا) كما فى الصلاة۔۔۔اى يجب اتمامه، فان فسد ولو بعروض حيض فى الاصح وجب القضاء"

ترجمہ: نفل روزہ قصداً شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے جیسے نماز (شروع کرنے سے مکمل کرنا واجب ہو جاتی ہے) اگر توڑے گا تو قضا واجب ہو گی۔ اگرچہ عورت کو حیض آنے کے سبب خود بخود ٹوٹ جائے۔

(در مختار مع رد المحتار"، کتاب الصوم، فصل في العوارض، جلد 3، صفحہ 412، 411، مطبوعہ: کراچی)

(ولو بعروض حيض) تحت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لا فرق فى وجوب القضاء بين ما اذا افسد قصدا، و لا خلاف او بلا قصد"۔

ترجمہ: چاہے قصداً (جان بوجھ کر) روزہ توڑے یا بلا قصد (بغیر ارادے کے ٹوٹ جائے) قضا واجب ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ (دونوں صورتوں میں قضاء واجب ہو گی۔)

(رد المحتار"، کتاب الصوم، فصل في العوارض، جلد 3، صفحہ: 412، مطبوعہ: کراچی)

امام اہلسنت **امام احمد رضاخان قادری** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ولا قضاء الاعن وجوب وافساد النفل بعد الشروع"۔

ترجمہ: وجوب کے سوا کسی کی قضا نہیں، نفلی روزہ شروع کرکے توڑ دینے سے قضاء واجب ہو جاتی ہے۔

(فتاوی رضویہ۔ کتاب الصوم، جلد10، صفحہ356، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

الجواب صحیح | واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري | کتبه: ابو حمزه محمد آصف مدنی عفی عنه

10 ربیع الآخر 1441ھ 25 نومبر 2020

سجدہ سہو کرنا بھول گیا تو؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ اگر نماز میں سجدہ سہو کرنا تھا لیکن بھول گیا اور سلام پھیر دیا تو کیا حکم ہے؟ سائل: محمد اویس

الجواب

جس پر سجدۂ سہو واجب ہو اور بھول کر سلام پھیر دے تو صرف سلام پھیرنے سے نماز سے باہر نہ ہو گا یہاں تک کہ سجدۂ سہو کرلے، لہٰذا جب تک بات چیت نہ کی یا مسجد سے باہر نہیں نکلا اگرچہ چہرہ قبلہ شریف سے پھیر لیا ہو یا اور کوئی فعل مُنافیِ نماز (نماز کے خلاف) نہیں کیا تو سابقہ جگہ پر جاکر یا مسجد کے کسی بھی حصے میں سجدہ سہو کرے اور دوبارہ التحیات پڑھ کر نماز مکمل کر دے۔ اور اگر سجدہ سہو نہ کیا یہاں تک کہ کوئی مُنافی نماز عمل کر لیا یا مسجد سے باہر نکل گیا تو اب سجدہ سہو نہیں کر سکتا بلکہ نماز کو لوٹانا واجب ہے یا سجدہ سہو واجب ہونا یاد تھا پھر بھی جان بوجھ کر نماز ختم کرنے کے ارادے سے سلام پھیر دیا تو سلام پھیرتے ہی نماز سے باہر ہو گیا، اور سجدہ سہو واجب ہونے کے باوجود نہ کرنے کی وجہ سے نماز مکروہ تحریمی، واجب الاعادہ (دوبارہ پڑھنا واجب) ہو گئی۔

در مختار میں ہے:

"(ویسجد للسھو ولو مع سلامہ)۔۔(للقطع)۔۔(مالم یتحول عن القبلة او یتکلم) لبطلان التحریمة، ولو نسی السھو او سجدة صلبیة او تلاویة یلزمه ذالک مادام فی المسجد"۔

ترجمہ: سجدۂ نماز یا سجدۂ تلاوت باقی تھا یا سجدۂ سہو کرنا تھا اور بھول کر سلام پھیرا تو جب تک مسجد سے باہر نہ ہوا کرلے۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:

"قیدبالسھو لانہ لوسلم ذاکراان علیہ سجدۃ تلاوۃ اوقراۃ التشھدالاخیر سقطت عنہ،لان سلامہ عمدفیخرجہ من الصلاۃ،ولاتفسدصلاتہ لانہ لم یبق علیہ رکن من ارکان الصلاۃ،بل تکون ناقصۃ لترک الواجب۔۔۔۔قولہ:(مادام فی المسجد)ای وان تحول عن القبلۃ استحساناً،لان المسجدکلہ فی حکم واحد۔۔۔۔فی البدائع من ان السجودلایسقط بالسلام ولوعمدا،الااذافعل فعلایمنعہ من البناءبان تکلم اوقھقھۃ اواحدث عمدااوخرج من المسجداوصرف وجھہ عن القبلۃ وھوذاکرلہ ،لانہ فات محلہ وھوتحریمۃالصلاۃفسقط ضرورۃفوات محلہ۔اھفتامل۔

ترجمہ:مصنف نے یہاں سجدے کوسہو کیساتھ مقید کیاکیونکہ اگر سجدہ تلاوت یاقعدہ اخیرہ میں تشہد پڑھنا یادہونے کے باوجود سلام پھیر دیاتوسجدہ سہو ساقط ہو گیا،کیونکہ جان بوجھ کر سلام پھیرنااس کو نماز سے نکال دے گا،البتہ نماز فاسد نہیں ہو گی کیونکہ نماز کے ارکان میں سے کوئی بھی رکن باقی نہیں رہا بلکہ واجب کوترک کرنے کی وجہ سے نماز ناقص ہو گئی۔اور مصنف کا یہ کہنا کہ "جب تک مسجد میں موجود ہو"(سجدہ سہو کرلے)یعنی اگرچہ قبلہ سے پھر چکاہو استحساناً(تب بھی سجدہ سہو کرے گا)کیونکہ مسجد تمام کی تمام ایک ہی مکان کے حکم میں ہے۔۔۔۔بدائع الصنائع میں ہے کہ(فقط)سلام پھیرنے کی وجہ سے سجدہ سہو ساقط نہیں ہوتا اگرچہ عمداًسلام پھیرے۔سوائے اس کے کہ اس نے کوئی ایسا فعل کیاجومانع بناء(یعنی نماز کی بناء کے خلاف ہو)مثلاً گفتگو کی یاقہقہہ لگاکر ہنسا یا جان بوجھ کر وضوتوڑ دیایا مسجد سے باہر نکل گیایاسجدہ سہویادہونے کے باوجود قبلہ سے پھر گیا(توسجدہ ساقط ہو جائے گا)کیونکہ سجدہ سہو کا محل ہی فوت ہو گیااوروہ نماز کی تحریم تھی۔لہذا محل فوت ہونے کی وجہ سے سجدہ سہو کی ضرورت بھی ساقط ہو گئی۔(لہذا اب سجدہ سہو نہیں کر سکتابلکہ نماز کااعادہ ہی کرناہو گا) (درالمختار مع ردالمحتار:کتاب الصلاۃ،باب سجود السھو،جلد2،صفحہ 559،558،مطبوعہ:کراچی)

تبیین الحقائق میں ہے:

"سلام من علیہ السھو لایخرجہ من الصلاۃاصلاًلان السجودوجب لجبرالنقصان فلابدان یکون فی احرام الصلاۃلیتحقق الجبر"۔

یعنی جس پر سجدہ سہولازم ہو لیکن سلام پھیر دے تو نماز سے نہیں نکلے گا کیونکہ سجدہ سہو(واجب کے ترک کی وجہ سے ہونے والی) کمی پورا کرنے کیلئے واجب ہوا ہے تو نماز کی تحریمہ کا باقی ہوناضروری ہے تاکہ کمی پوری ہو سکے۔

(تبین الحقائق شرح کنزالدقائق:کتاب الصلاۃ،باب سجود السھو،صفحہ 198،مطبوعہ:ملتان)

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے: "انہ یاتی بہ قبل ان یتکلم ویخرج من المسجد،وان یمشی وانحرف عن القبلۃ"۔

یعنی گفتگو کرنے اور مسجد سے نکلنے سے پہلے سجدہ سہو کرلے اگرچہ چلنا یا قبلہ سے پھرنا بھی پایا گیا ہو۔

(البنایہ شرح الہدایہ، کتاب الصلاۃ، باب سجود السہو، جلد2، صفحہ 629، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

درر شرح غرر میں ہے: "**الاصل ان یسجد قبل ان یتکلم اویخرج وان مشی او انحرف عن القبلة**"۔

یعنی اصول اس میں یہ ہے کہ گفتگو کرنے یا مسجد سے نکلنے سے پہلے سجدہ سہو کرلے اگرچہ چلنا یا قبلہ سے پھرنا بھی پایا گیا ہو۔

(الدرر الاحکام شرح غرر الاحکام، کتاب الصلاۃ، باب سجود السہو، صفحہ 154، مطبوعہ: کراچی)

تحفۃ الفقہاء میں ہے:

"**فکل فعل مناف للصلاة لکن هو من ضرورات البناء، نحو المشی و الاستقاء و غیر ذلک، لا یفسد الصلاة و کل مالم یکن من ضروراته، یکون مفسداً**"۔

یعنی ہر ایسا فعل جو منافی نماز ہو لیکن نماز کی بناء کیلئے ضروری ہو نماز نہیں توڑتا جیسے چلنا یا پانی کی طلب وغیرہ، اور ہر ایسا فعل جو اس کیلئے ضروری نہ ہو نماز توڑ دیتا ہے۔

(تحفۃ الفقہاء: کتاب الصلاۃ، باب الحدث فی الصلاۃ، صفحہ 219، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

اسی میں ہے:

"**فان کان منفرداً او اماماً، فان الاولیٰ ان یعود الی مکان صلاته ویتم صلاته وان بنی فی موضع الوضوء، جاز**"۔

یعنی خواہ امام ہو یا مقتدی ان کیلئے اولیٰ یہ ہے کہ اپنی نماز کی جگہ واپس آئیں اور نماز مکمل کریں اور اگر وضو کی جگہ (یا اس مسجد کے کسی دوسرے حصے میں نماز پڑھ لیں) تو یہ بھی جائز ہے۔

(تحفۃ الفقہاء: کتاب الصلاۃ، باب الحدث فی الصلاۃ، صفحہ 221، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

صدر الشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جس پر سجدۂ سہو واجب ہے اگر سہو ہونا یاد نہ تھا اور بہ نیت قطع سلام پھیر دیا تو ابھی نماز سے باہر نہ ہوا بشرطیکہ سجدۂ سہو کرلے، لہٰذا جب تک کلام یا حدث عمد، یا مسجد سے خروج یا اور کوئی فعل منافی نماز نہ کیا ہو اسے حکم ہے کہ سجدہ کرلے اور اگر سلام کے بعد سجدۂ سہو نہ کیا تو سلام پھیرنے کے وقت سے نماز سے باہر ہو گیا۔۔۔۔ اور اگر یاد تھا کہ سہو ہوا ہے اور بہ نیت قطع سلام پھیر دیا تو سلام پھیرتے ہی نماز سے باہر ہو گیا اور سجدۂ سہو نہیں کر سکتا، اعادہ کرے"۔

کچھ آگے فرماتے ہیں:

"سجدۂ نماز یا سجدۂ تلاوت باقی تھا یا سجدۂ سہو کرنا تھا اور بھول کر سلام پھیرا تو جب تک مسجد سے باہر نہ ہوا کرلے"۔

(بہار شریعت، کتاب الصلوۃ، سجدہ سہو کا بیان، جلد2، حصہ 4، صفحہ 717، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

مجموعۃ قواعد الفقہ میں ہے: "كُلُّ صَلاةٍ أُدِّيَتْ مَعَ كَرَاهَةِ التَّحْرِيمِ تَجِبُ إِعَادَتُهَا"۔

ترجمہ: ہر وہ نماز جو کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے اس کا اعادہ واجب ہے۔

اس کے تحت فرمایا: سجدہ سہو نہیں کیا تو نماز مکروہ تحریمی ہوئی لہذا اس کا اعادہ واجب ہے۔

(مجموعۃ قواعد الفقہ، صفحہ 100)

بہار شریعت میں ہے: اگر سہواً (یعنی بھولے سے) واجب ترک ہوا اور سجدہ سہو نہ کیا جب بھی (نماز کا) اعادہ واجب ہے۔

(بہار شریعت، کتاب الصلاۃ، سجدہ سہو کا بیان، جلد 2، حصہ 4، صفحہ 708، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

الجواب صحيح	و الله تعالی اعلم و علمه جل مجده أتم و أحكم
أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفي عنه الباري	کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ
	11 ربیع الآخر 1441ھ 27 نومبر 2020

لنڈے کے کپڑے بغیر دھوئے پہننا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ لَنڈے کے کپڑے بغیر دھوئے پہننا کیسا؟ اور کیا خیر القرون (زمانہ صحابہ و تابعین) میں اس کی کوئی مثال ملتی ہے؟ سائل: عبد اللہ

الجواب

لنڈے کے کپڑے اکثر بیرون ممالک سے آتے ہیں، جنہیں فُسّاق وفجّار و کفار اور ہر طرح کے لوگ استعمال کرتے ہیں، اور فساق وفجار و کفار عموماً پاکی وناپاکی میں احتیاط نہیں کرتے لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ کپڑے دھو کر استعمال کئے جائیں، لیکن اگر بغیر دھوئے پہنے اور ان میں نماز پڑھ لی تو جب تک ان میں نجاست و گندگی کا اثر ظاہر نہ ہو انہیں ناپاک نہیں کہا جائے گا اور نماز بھی بلا کراہت درست ہو جائے گی، ہاں اگر ان میں نجاست کا اثر ظاہر ہو تو یہ ناپاک کہے جائیں گے، اور یاد رہے کہ کپڑے یا دیگر چیزوں میں اصل حکم پاکی ہی کا ہے جب تک کہ ان میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو، لہذا محض شکوک وشبہات کی بناء پر بلاوجہ کسی چیز کو کھینچ تان کر ناپاک یا حرام کہنے کی قطعاً اجازت نہیں، اور زمانہ صحابہ سے لیکر ہمیشہ مسلمانوں میں یہ رائج رہا کہ کفار سے مال غنیمت میں کپڑے بھی لیتے اور انہیں پہنتے بھی رہے، لہذا کفار و مشرکین کے کپڑوں کو بلا ثبوت و دلیل ناپاک نہیں کہہ سکتے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو صحابہ و تابعین سے لیکر ہمیشہ امت مسلمہ اسے استعمال نہ کرتی۔ اب اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

چنانچہ بدائع الصنائع میں ہے:

"الاصل فی الثیاب ھو الطھارۃ،فلاتثبت النجاسۃ بالشک،ولان التوارث جارفیما بین المسلمین بالصلاۃ فی الثیاب المغنومۃ من الکفرۃ قبل الغسل"۔

ترجمہ:(کفار کے) کپڑوں میں بھی اصل حکمِ طہارت (پاک ہونا) ہے،لہذا فقط شک وشبہ کی بناء پر ان کا نجس ہونا ثابت نہ ہوگا اوراس لئے بھی کہ کفار کے کپڑوں کو مالِ غنیمت میں حاصل ہونے کے بعد دھونے سے پہلے پہننا اوران میں نماز پڑھنا مسلمانوں میں نسل در نسل رائج ہے۔

(بدائع الصنائع، کتاب الطھارۃ، بیان ماینقض الوضوء، جلد1، صفحہ236، مطبوعہ: کوئٹہ)

اورالحدیقۃ الندیۃ میں ہے:

"سراویل الکفرۃ من الیھودوالنصاری والمجوس یغلب علی الظن نجاسۃ لانھم لایستنجون من غیران یاخذالقلب بذلک فتصح الصلاۃ فیہ لان الاصل الیقین بالطھارۃ،وغالب الظن اذالم یاخذبہ القلب فھو بمنزلۃ الشک،والیقین لایزول بالشک"۔

ترجمہ:یہودیوں،عیسائیوں اور مجوسیوں وغیرہ کفار کی شلواریں اکثر طور پر ناپاک ہوتی ہیں،کیونکہ وہ استنجاء نہیں کرتے،لیکن جب تک یہ (ناپاکی کاخیال) دل میں نہ جمے تو ان میں نماز جائز ہے،کیونکہ اصل چیز طہارت کا یقین رکھنا ہے،اور جب تک غالب گمان نہ ہو تو وہ شک کے درجے میں ہے،اور یقین شک کے ساتھ ہر گز زائل نہیں ہوتا۔

(الحدیقۃ الندیہ، جلد2، صفحہ 711، مکتبۃ نوریہ رضویہ، پاکستان)

امام اہلسنت **امام احمد رضاخان قادری** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"اصل اشیاء میں طہارت وحلت (حلال ہونا) ہے،جب تک تحقیق نہ ہو کہ اس میں کوئی ناپاک یا حرام چیز ملی ہے، محض شبہہ پر نجس وناجائز نہیں کہہ سکتے۔۔۔ہاں اگر کچھ شبہہ ڈالنے والی خبر سن کر احتیاط کرے تو بہتر ہے، مگر ناجائز وممنوع نہیں کہہ سکتے۔ (فتاوی رضویہ، جلد21، صفحہ620، رضافاؤنڈیشن:لاہور)

ایک جگہ فرماتے ہیں:

"تامل کرو!کس قدر معدن بے احتیاطی بلکہ مخزن ہر گونہ گندگی ہیں کفار خصوصاًان کے شراب نوش کے کپڑے علی الخصوص پاجامے کہ وہ ہرگزاستنجے کالحاظ رکھیں نہ شراب،پیشاب وغیرہ نجاسات سے احترازکریں(یعنی بچیں)،پھر(بھی)علماء حکم دیتے ہیں کہ وہ (کپڑے)پاک ہیں اور مسلمان بے دھوئے پہن کر نماز پڑھ لے تو صحیح وجائز جب تک تلوث واضح نہ ہو۔

(فتاوی رضویہ، جلد4، صفحہ 490، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

صدرالشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ الرحمہ سے سوال ہوا:

"انگریزوں کے مستعمل (استعمال شدہ) گرم کوٹ جو بازاروں میں کم قیمت پر فروخت ہوتے ہیں، آیا خرید کر استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟"

تو اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:

"کفار کے وضع کے کپڑے پہننا ناجائز، یعنی جو وضع ان کے ساتھ مخصوص ہو، اس سے احتراز (بچنا) لازم، حضرت امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"ایاکم وزی الاعاجم کماھو مروی فی صحیح"

اگر خاص ان کی وضع کے نہ ہوں تو استعمال کرسکتے ہیں، اگرچہ پرانے خریدے گئے ہوں کہ قرن اول میں صحابہ کرام اموال غنیمت میں کفار کے کپڑے بھی لیتے اور انہیں استعمال فرماتے، یوں ہی وہ کپڑے جو ان کی وضع کے ہیں، ان کو کاٹ کر دوسری وضع کے بنالئے جائیں کہ اب وہ کفار کی وضع کے باقی نہ رہیں، تو ان کا استعمال کرنا بھی جائز ہے"۔

(فتاوی امجدیہ، جلد4، صفحہ 61، مکتبہ رضویہ: کراچی)

اور بہار شریعت میں فرماتے ہیں:

"فاسقوں کے استعمالی کپڑے جن کا نجس ہونا معلوم نہ ہو پاک سمجھے جائیں گے مگر بے نمازی کے پاجامے وغیرہ میں اِحْتِیاط یہی ہے کہ رومالی پاک کرلی جائے کہ اکثر بے نمازی پیشاب کرکے ویسے ہی پاجامہ باندھ لیتے ہیں اور کفّار کے ان کپڑوں کے پاک کرلینے میں تو بہت خیال کرنا چاہیے"۔

(بہار شریعت، جلد1، حصہ2، نجس چیزوں کو پاک کرنے کا طریقہ، صفحہ 405، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

الجواب صحیح — **واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم**

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري — **کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ**

15ربیع الثانی 1441ھ 30نومبر 2020

دوستونوں کے درمیان نماز پڑھنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ دوستونوں کے درمیان منفرد(اکیلے شخص) یا مقتدی کا کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے؟ سائل: محمد عاکف(فیصل آباد، پاکستان)

الجواب

باجماعت نماز کے دوران صفوں کو سیدھا کرنے اوران میں بغیر فاصلہ کھڑے ہونے کی احادیث اس کثرت سے اور تاکیدی وارد ہوئیں کہ ان کی بناء پر علماء اسلام نے صفوں کو سیدھا کرنے اورانہیں ملانے کوواجب قراردیا۔(اوراس کے واجب ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نےاس کاہمیشہ اہتمام فرمایاہےاور جس کام پر حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہمیشگی اختیار فرمائیں وہ واجب ہوتاہے سوائے اس کے کہ اس کے خلاف کوئی قرینہ ودلیل پائی جائے۔)اور صفوں کو سیدھانہ کرنایادوآدمیوں کے درمیان بلاعذر شرعی جگہ چھوڑنے کو مکروہ تحریمی وگناہ فرمایا(کیونکہ واجب کاترک مکروہ تحریمی ہے اور مکروہ تحریمی کاارتکاب گناہ)۔

اور چونکہ شریعت مطہرہ کو جماعت میں جمعیت مقصود ہے لیکن اگر صفوں کو توڑتوڑ کر بنایاجائے توجمعیت فوت ہوجائے گی اور مقصد حاصل نہ ہو گا،اسی وجہ سے علماء اسلام نے ہر ایسے معاملے سے منع فرمایاجوامت کی جمعیت میں انتشار کاباعث ہو،اسی سے دوران جماعت ستونوں کے درمیان صف بنانا بھی ہے کہ مقتدی کامسجد میں جگہ ہونے کے باوجود بلاعذر ستونوں کے درمیان کھڑے ہو کر نمازاداکرنامکروہ تحریمی وگناہ ہے کہ اس میں قطعِ صف(صف کو کاٹنا) ہے جس سے احادیث میں منع فرمایاگیااور صفوں کو ملانے کابار بار تاکیدی حکم فرمایاگیایہاں تک حکم فرمایاکہ اگراگلی صف میں جگہ موجودہونے کے باوجود پیچھے صفیں بنادی گئیں توبعدمیں آنے والے کوحکم ہے کہ وہ ان صفوں کوچیر تاہواجائے اوراس خالی جگہ کو پُرکرے اوراس پر مغفرت کی بشارت دی گئی۔

لہذااوّلاً تومقتدیوں کوخود ہی خوب صفوں میں مل کر اور سیدھی صفیں بنانے کااہتمام کرناچاہیے،اور جب تک اگلی صفیں مکمل نہ ہوجائیں پیچھے نئی صف شروع نہیں کرنی چاہیے اور نہ ہی ستونوں کے مابین صفیں بنائی جائیں،اوراس کے ساتھ ساتھ امام صاحبان کو بھی اس کابہت زیادہ اہتمام کرناچاہیے،اور جماعت سے پہلے باقاعدہ اس کااعلان کریں،بلکہ وقتاًفوقتاًصفوں کی درستی وتکمیل کی اہمیت سے عوام الناس کوخوب آگاہی فراہم کرتے رہیں۔

البتہ اگر عذر ہو جیسے مسجد مکمل بھر چکی اور نماز پڑھنے کی اس کے علاوہ اور کوئی جگہ باقی نہ رہی یا باہر بارش وآندھی وغیرہ ہو یا جگہ کی تنگی وغیرہ کے باعث ستونوں کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھیں تو اس میں حرج نہیں۔

اور اکیلے شخص کا ستونوں کے درمیان کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا بلا کراہت جائز ہے کہ جن وجوہات (یعنی قطع صف وغیرہ) کی بناء پر ستونوں کے درمیان صف بندی سے منع فرمایا گیا وہ یہاں موجود نہیں۔ بلکہ خود حضور سید عالم ﷺ کا بغیر جماعت کے اکیلے کعبۃ اللہ شریف کے ستونوں کے درمیان نماز پڑھنا بھی ثابت ہے۔ اب اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

امام مسلم جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں:

"الاتصفون کماتصف الملائکۃعندربھا؟فقلنا:یارسول اللہ ﷺ وکیف تصف الملائکۃ عندربھا؟فقال:یتمون الصفوف الاول,وتراصون فی الصف"

ترجمہ: کیوں نہیں اس طرح صف باندھتے ہو جیسے ملائکہ اپنے ربّ کے حضور باندھتے ہیں، عرض کی، یارسول اللہ ﷺ کس طرح ملائکہ اپنے ربّ کے حضور صف باندھتے ہیں؟ فرمایا: "اگلی صفیں پوری کرتے ہیں اور صف میں مِل کر کھڑے ہوتے ہیں۔

(صحیح مسلم"، کتاب الصلاۃ، باب الأمر، بالسکون في الصلاۃ...إلخ، جلد1، الحدیث:119، صفحہ 203، مطبوعہ: بیروت)

سنن نسائی میں ہے فرماتے ہیں ﷺ:

"راصّوا صفوفکم وقاربوا بینھا وحاذوا بالاعناق فوالذی نفس محمد بیدہ انی لاری الشیاطین تدخل من خلٰل الصف کانھا الخذف"۔

ترجمہ: اپنی صفیں خوب گھنی اور پاس پاس کرو اور گردنیں ایک سیدھ میں رکھو کہ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں شیاطین کو دیکھتا ہوں کہ صف کے درمیانی فاصلہ (Gap) سے داخل ہوتے ہیں جیسے بھیڑ کے بچے۔

(سنن النسائی: کتاب الامامۃ، باب حث الامام علی رص الصفوف الخ، جلد3، صفحہ 265، حدیث:827، مطبوعہ: دارالتاصیل)

امام حاکم ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی، حضور ﷺ فرماتے ہیں:

"ان اللہ وملائکۃ یصلون علی الذین یصلون الصفوف۔ھذاحدیث صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاہ"

ترجمہ: اللہ اور اس کے فرشتے ان لوگوں پر درود بھیجتے ہیں جو صفیں ملاتے ہیں۔" حاکم نے کہا، یہ حدیث بشرط مُسلِم صحیح ہے۔

(المستدرک"للحاکم، کتاب الإمامۃ...إلخ، باب من وصل صفاً وصلہ اللہ، الحدیث:775، جلد1، صفحہ 334، دارالکتب العلمیہ: بیروت)

امام ابن ماجہ ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی، کہ فرماتے ہیں ﷺ:

"ان اللہ وملائکۃ یصلون علی الذین یصلون الصفوف ومن سدفرجۃ رفعہ اللہ بھادرجۃ"

ترجمہ: اللہ اور اس کے فرشتے ان لوگوں پر درود بھیجتے ہیں جو صفیں ملاتے ہیں جو کشادگی (Gap) کو بند کرے اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند فرمائے گا۔

(سنن ابن ماجہ"، کتاب إقامۃ الصلاۃ... إلخ، باب اقامۃ الصفوف، الحدیث:995، جلد1، صفحہ 318، مطبوعہ: داراحیاء الکتب العربیہ)

المستدرک علی الصحیحین میں ہے، فرماتے ہیں ﷺ:

"من وصل صفا وصلہ اللہ ومن قطع صفا قطعہ اللہ۔ رواہ النسائی والحاکم بسند صحیح عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی تعالٰی عنھما وھو من تتمۃ حدیثہ الصحیح المذکور سابقا عند احمد وابی داؤد والثلثۃ الذین معھما۔

ترجمہ: جو کسی صف کو وصل کرے (ملائے) اللہ اسے وصل کرے اور جو کسی صف کو قطع کرے (کاٹے) اللہ اسے قطع کردے۔ اسے نسائی اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے، یہ عبد اللہ ابن عمر کی حدیث اس حدیث صحیح مذکور سابقہ کا تتمہ ہے جسے امام احمد اور ابوداؤد اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے۔

(المستدرک علی الصحیحین: جلد 1، کتاب الامامۃ والجماعۃ، حدیث:774، صفحہ 333، دارالکتب العلمیہ: بیروت)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اقیموا صفوفکم، فانی اراکم من وراء ظھری، کان احدنا یلزق منکبہ بمنکب صاحبہ"۔

ترجمہ: اپنی صفیں قائم کرو، بیشک میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں، ہم میں سے ہر ایک اپنے کاندھے کو دوسرے کے کاندھے سے ملاتا تھا۔

(صحیح البخاری: کتاب الاذان، باب الزاق المنکب بالمنکب۔۔ الخ، جلد1، صفحہ 180، حدیث 725، دارابن کثیر، دمشق، بیروت)

بحرالرائق شرح کنزالدقائق میں ہے:

وینبغی للقوم اذاقاموا الی الصلاۃ ان یتراصوا ویسدوا الخلل ویسووا مناکبھم فی الصفوف، ولا باس ان یامرھم الامام بذلک۔۔وفی فتح القدیر: وروی ابوداؤد والامام احمد عن ابن عمر رضی اللہ عنہ انہ قال ﷺ: اقیموا الصفوف وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل ولینوا بایدیکم اخوانکم لاتذروا فرجات للشیطان، من وصل صفاً وصلہ اللہ ومن قطع صفاً قطعہ اللہ"۔

ترجمہ: قوم کو چاہئے کہ جب نماز کیلئے صفوں میں کھڑے ہوں تو خوب مل کر کھڑے ہوں اور درمیانی فاصلہ پُر کریں اور اپنے کندھے خوب برابر کریں، اور اگر امام اس کا حکم دے تو بھی کوئی حرج نہیں، اور فتح القدیر میں ہے: امام ابوداؤد وامام

احمد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: صفیں قائم کرو اور کندھوں کو برابر کرو، اور درمیانی فاصلہ پُر کرو، اور اپنے بھائیوں کیلئے نَرم ہو جاؤ، اور شیاطین کیلئے جگہ چھوڑنے سے بچو۔

(بحر الرائق، شرح کنز الدقائق، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، جلد 1، صفحہ 618، درالکتب العلمیہ: بیروت)

(رواہ النسائی، کتاب الاقامۃ، باب 82، المؤطا، فی کتاب الجمعۃ، حدیث 8، مسند احمد، جلد 5، صفحہ 262)

درمختار میں ہے: **"وینبغی ان یامرھم بان یتراصوا ویسدوا الخلل ویسووا مناکبھم"**۔

یعنی امام کو چاہئے کہ لوگوں کو حکم دے کہ وہ خوب مل کر کھڑے ہوں، درمیانی فاصلہ پُر کریں اور اپنے کندھے ایک سیدھ میں کر کے برابر کریں۔ (درمختار: کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، جلد 2 صفحہ 310، دار عالم الکتب: ریاض)

درمختار میں ہے: **"ولو کان فرجۃ فللداخل ان یمر علی رقبۃ من لم یسدھا لانہ اسقط حرمۃ نفسہ"**۔

ترجمہ: اگلی صف میں جگہ تھی، اسے خالی چھوڑ کر پیچھے کھڑا ہوا تو آنے والا شخص اس کی گردن پھلانگتا ہوا جا سکتا ہے، کہ اس نے اپنی حُرمت اپنے آپ کھوئی۔

(الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا، جلد 2، صفحہ 401 دار عالم الکتب: ریاض)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" جب تک ایک صف پوری نہ ہو دوسری (شروع) نہ کریں اس کا شرع مطہرہ کو وہ اہتمام ہے کہ اگر کوئی صف ناقص چھوڑے مثلاً ایک آدمی کی جگہ اس میں کہیں باقی تھی اسے بغیر پورا کئے پیچھے اور صفیں باندھ لیں، بعد کو ایک شخص آیا اس نے اگلی صف میں نقصان پایا تو اسے حکم ہے کہ ان صفوں کو چیرتا ہوا جاکر وہاں کھڑا ہو اور اس نقصان کو پورا کرے کہ انہوں نے مخالفت حکم شرع کر کے خود اپنی حرمت ساقط کی جو اس طرح صف پوری کرے گا اللہ تعالٰی اس کے لئے مغفرت فرمائے گا"۔ (فتاوی رضویہ، کتاب الصلوۃ، باب الجماعۃ، جلد 7، صفحہ 221، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

صدرالشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پہلی صف میں جگہ ہو اور پچھلی صف بھر گئی ہو تو اس کو چیر کر جائے اور اس خالی جگہ میں کھڑا ہو۔ اور یہ وہاں ہے، جہاں فتنہ و فساد کا احتمال نہ ہو۔ (بہار شریعت: کتاب الصلاۃ، جماعت کا بیان، جلد 1، حصہ 3، صفحہ 587،586، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

بحر الرائق میں ہے:

"التقدم واجب علی الامام للمواظبۃ من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وترک الواجب موجب لکراھۃ التحریم المقتضیۃ للاثم"۔

ترجمہ: امام کا مقدم ہونا واجب ہے کیونکہ اسی پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی اور واجب کا ترک کراہت تحریمی کا موجب ہے جو گناہ کا مقتضی ہے۔

(بحر الرائق شرح کنز الدقائق: کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، جلد 1، صفحہ 614، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

جس (کام) پر حضور سید عالم ﷺ نے ہمیشہ مواظبت فرمائی (وہ واجب ہے کیونکہ) مواظبت دائمہ دلیل وجوب ہے اور ترک واجب مکروہ تحریمی، اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ۔

(فتاوی رضویہ، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، جلد 7، صفحہ 41، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

ایک جگہ فرماتے ہیں:

"یونہی اس رخنہ بندی (صفوں میں فاصلہ) کے لئے پچھلی صف کے نمازیوں کے آگے گزرنا جائز ہے کہ انہوں نے خود اس امر عظیم میں بے پروائی کرکے جس کا شرع میں اس درجہ اہتمام تھا اپنی حرمت ساقط کردی۔

ثم اقول وباللہ التوفیق: یہ احکام فقہ وحدیث باعلیٰ ندا منادی کہ وصل صفوف اور ان کی رخنہ بندی اہم ضروریات سے ہے اور ترک فرجہ ممنوع وناجائز، یہاں تک کہ اس کے دفع کو نمازی کے سامنے گزر جانے کی اجازت ہوئی جس کی بابت حدیثوں میں سخت نہی وارد تھی سید عالم ﷺ فرماتے ہیں:

"لو یعلم المار بین یدی المصلی ماذا علیہ لکان ان یقف اربعین خیر الہ من ان یمر بین یدیہ"۔

ترجمہ: اگر نمازی کے سامنے گزرنے والا جانتا کہ اس پر کتنا گناہ ہے تو چالیس برس کھڑا رہنا اس گزر جانے سے اس کے حق میں بہتر تھا۔

(صحیح البخاری کتاب الصلوۃ: باب اثم المار بین یدی المصلی، جلد 1، صفحہ 134، 133، حدیث: 510، دار ابن کثیر: دمشق، بیروت)

ظاہر ہے کہ ایسا شدید امر جس پر یہ تشدیدیں اور سخت تہدیدیں ہیں اسی وقت روا رکھا گیا ہے جب دوسرا اس سے زیادہ اشد اور افسد تھا **کما لا یخفٰی** (جیسا کہ مخفی نہیں)

ایک دلیل اس وجوب اور فرجہ رکھنے کی کراہت تحریمی پر یہ ہے۔

دلیل دوم احادیث کثیرہ میں صیغہ امر کا وارد ہونا **کما سمعت وما ترکت لیس باقل مما سردت** (جیسا کہ تونے سن لیا اور جن روایات کو میں نے ترک کردیا ہے وہ بیان کردہ سے کم نہیں ہیں۔) اس لئے ذخیرہ وحلیہ میں فرمایا:

"لانہ مامور بالمراصّۃ۔ قال علیہ الصلاۃ والسلام: تراصوا فی الصفوف"

(کیونکہ مل کر کھڑے ہونے کا حکم ہے۔)

(ردالمحتار بحوالہ حلیہ عن الذخیرۃ باب الامامۃ، جلد2، صفحہ 312، دار عالم الکتب: ریاض)

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب الامامۃ والجماعۃ، جلد1، صفحہ 217، دار الکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

فتح القدیر و بحر الرائق وغیرہما میں فرمایا:

"سد الفرجات المأمور بها فی الصف، و الاحادیث فی هذا کثیرة و شهیرة"۔

ترجمہ: صف کے درمیانی رخنہ کو پر کرنے کا حکم ہے۔ اور اس بارے میں بہت زیادہ احادیث مشہور ہیں۔

(بحر الرائق شرح کنز الدقائق: کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، جلد1، صفحہ 619، دار لکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

اور اصول میں مبرہن ہو چکا ہے امر مفید وجوب ہے **الا ان یصرف عنه صارف** (مگر اس صورت میں جب اس کے خلاف کوئی قرینہ ہو۔)

دلیل سوم علماء تصریح فرماتے ہیں کہ صف میں جگہ چھوٹی ہو تو اور مقام پر کھڑا ہونا مکروہ ہے۔

در مختار میں ہے:

"ولو صلی علی رفوف المسجد ان وجد فی صحنه مکانا کره کقیامه فی صف خلف صف فیه فرجة"۔

ترجمہ: اگر کسی نے رفوف مسجد میں نماز ادا کی حالانکہ صحن مسجد میں جگہ تھی تو مکروہ ہو گی جیسا کہ ایسی صف میں نماز پڑھنا مکروہ ہے جو ایسی صف کے پیچھے ہو جس میں رخنہ تھا۔

(در مختار، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، جلد2، صفحہ 312، دار عالم الکتب: ریاض)

اور کراہت مطلقہ سے مراد کراہت تحریم ہوتی ہے،

الا اذا دل دلیل علی خلافه کما نص علیه فی الفتح و البحر و حواشی الدر و غیرهما من تصانیف الکرام الغر۔

مگر جب اس کے خلاف دلیل موجود ہو جیسا کہ فتح، بحر، حواشی در اور دیگر تصانیف علماء عظام میں تصریح ہے۔

دلیل چہارم احادیث سابقہ میں حدیث رابع کے وعید شدید **من قطع صفا قطعه اللّٰہ**

(جس نے صف قطع کی اللہ اسے قطع کرے گا۔) علامہ طحطاوی پھر علامہ شامی زیر عبارت مذکورہ در مختار فرماتے ہیں:

"قوله کقیامه فی صف الخ هل الکراهة فیه تنزیهیة او تحریمیة و یرشد الی الثانی قوله علیه الصلوٰة و السلام من قطع صفا قطعه اللّٰہ انتهی فافهم"۔

قوله جیسا کہ کھڑا ہونا اس صف میں الخ اس میں کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی؟

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد **من قطع اللّٰہ** الخ کراہت تحریمی کی طرف راہنمائی کرتا ہے **انتهی فافهم**۔

(ردالمحتار: کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ: جلد2، صفحہ 312 دار عالم الکتب: ریاض)

ثانیاً ہر صف میں اول سے آخر تک دوسری صف کے لئے صف کامل کی جگہ بچنا واجب ہے۔

ثالثاً کسی صف میں فرجہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے، جب تک اگلی صف پوری نہ کر لیں صف دیگر ہر گز نہ باندھیں۔

(فتاوی رضویہ، جلد7، صفحہ 47 تا 51، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"درباره صفوف شرعاً تین باتیں بتاکید اکید ماموربہ ہیں اور تینوں آج کل معاذ اللہ کالمتروک ہو رہی ہیں، یہی باعث ہے کہ مسلمانوں میں نا اتفاقی پھیلی ہوئی ہے۔

اول تسویہ کہ صف برابر ہو خم نہ ہو کج نہ ہو مقتدی آگے پیچھے نہ ہوں سب کی گردنیں شانے ٹخنے آپس میں محاذی۔

سوم: تراصّ یعنی خوب مل کر کھڑا ہونا کہ شانہ سے شانہ چھلے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"صفا کانھم بنیان مرصوص"۔

ایسی صف کہ گویا وہ دیوار ہے رانگا پلائی ہوئی۔ (القرآن، سورۃ 61، آیت:4)

رانگ پگھلا کر ڈال دیں تو سب درزیں بھر جاتی ہیں کہیں رخنہ فرجہ نہیں رہتا، ایسی صف باندھنے والوں کو مولی سبحٰنہ وتعالٰی دوست رکھتا ہے اس کے حکم کی حدیثیں اوپر گزریں، یہ بھی اسی اتمام صفوف کے متممات سے اور تینوں امر شرعاً واجب ہیں **کما حققناہ فی فتاوٰنا و کثیر من الناس عنہ غافلون** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی خوب تحقیق کی ہے اور بہت سے لوگ اس سے غافل ہیں) (فتاوی رضویہ، جلد7، صفحہ 220۔ تا۔ 224، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

سنن ابنِ ماجہ میں ہے:

عن معوية بن قرة عن ابيه رضی اللہ تعالٰی عنہ قال کنا ننھی ان نصف بین السواری علی عھد رسول اللہ ﷺ ونطرد عنھا طردا"۔

قرہ بن ایاس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہمیں دو ستونوں کے بیچ صف باندھنے سے منع فرمایا جاتا اور وہاں سے دھکے دے کر ہٹائے جاتے تھے۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، باب الصلوۃ بین السواری فی الصف، جلد1، صفحہ 176، حدیث:1002، مطبوعہ: لاہور)

شروح سنن ابن ماجہ میں اس حدیث پاک کے جزء (کنا ننھی۔۔۔الخ) کے تحت ہے:

"لعل سبب النھی انہ موجب للفرقۃ والجماعۃ سبب الجمعیۃ وھذا اذا کان المکان واسعاً و اما اذا ضاق المکان وازدحم الناس فلابد من الصفوف بین السواری۔۔۔

قال فی "العینی" و "الفتح" اذا کان منفرداًلاباس بالصلاۃبین الساریتین بخلاف الجماعۃ لان ذالک یقطع الصفوف وتسویۃالصفوف فی الجماعۃمطلوبۃ(مرقاۃ)۔۔۔

وقال السندی:والنھی عنہ لقطع السواری الصف"

ترجمہ:شاید اس ممانعت کا سبب فرقت (جماعت کو منتشر کرنا) ہے حالانکہ جماعت توجمیعت کا سبب ہے، اور یہ (ممانعت کا حکم) اس وقت ہے جب جگہ میں گنجائش ہو (پھر بھی ستونوں کے درمیان صف بنائی جائے)، بہرحال جب جگہ تنگ ہو اور لوگوں کا رَش بہت زیادہ ہو تو ستونوں کے درمیان صف بناسکتے ہیں۔

علامہ عینی نے شرح عینی اور امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں فرمایا:

اکیلے شخص کا ستونون کے درمیان نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں برخلاف جماعت کے، کیونکہ جماعت کی صورت میں قطع صف ہوگا حالانکہ صفوں کو برابر کرنا جماعت میں مطلوب ہے۔

اور علامہ سندھی فرماتے ہیں:

اور اس (دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے سے) ممانعت کی وجہ ستون کا صف کو (دو حصوں میں) کاٹ دینا ہے۔

(شروح سنن ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلاۃ، باب الصلوۃ بین السواری فی الصف، جلد 1، صفحہ 423، مطبوعہ: بیت الافکار الدولیۃ، بیروت)

جامع ترمذی و سنن نسائی و صحیح حاکم میں ہے:

" عن عبدالحمید بن محمود قال صلینا خلف امیر من الامراء فاضطرَنا الناسُ صلینا بین الساریتین فلما صلینا قال انس بن مالک رضی اللہ عنہ کنا نتقی ھذا علی عھد رسول اللہ ﷺ وفی الباب عن قرۃ ابن ایاس المزنی حدیث انس حسن صحیح، وقد کرہ قوم من اھل العلم ان یصف بین السواری وبہ یقول احمد و اسحاق۔

ترجمہ: عبدالحمید بن محمود فرماتے ہیں: ہم نے ایک امیر کے پیچھے نماز پڑھی لوگوں نے ہمیں مجبور کیا تو ہمیں دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھنی پڑی۔ جب ہم نماز پڑھ چکے تو انس بن مالک نے فرمایا ہم زمانہ اقدس حضور سید عالم ﷺ میں اس سے بچتے تھے۔ (امام ترمذی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں) اس بارے میں قرہ بن ایاس مزنی سے حدیث انس حسن صحیح ہے۔ تحقیق اہل علم میں سے بہت سے علماء ستونوں کے درمیان صف بنانے کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ یہی مؤقف امام احمد بن حنبل و امام اسحاق کا بھی ہے۔

(جامع الترمذی: کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی کراہیۃ الصف بین السواری، جلد 1، صفحہ 156، حدیث 219، مطبوعہ: لاہور)

(سنن نسائی: کتاب الامامۃ والجماعۃ، باب الصف بین السواری، جلد 1، صفحہ 145، حدیث: 821، مطبوعہ: لاہور)

(المستدرک للحاکم: ومن کتابہ الامامۃ وصلاۃ الجماعۃ، جلد 1، صفحہ 329، دارالکتب العلمیہ: بیروت)

اور سنن ابو داؤد و مسند احمد میں ہے:

"عن الحمیدبن محمود،قال صلیت مع انس بن مالک،یوم الجمعة فدفعناالی السواری،فتقدمناو تاخرنا،فقال انس: کنانتقی ھذاعلی عھدرسول اللہ ﷺ"۔

ترجمہ: عبد الحمید بن محمود سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت انس بن مالک کیساتھ جمعہ کے دن نماز پڑھی تو ہمیں ستونوں کے درمیان دھکیل دیا گیا، پس ہم آگے پیچھے ہو گئے، تو حضرت انس نے فرمایا: ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اس سے بچتے تھے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب الصفوف بین السواری، جلد1، صفحہ 107، حدیث:673، مطبوعہ: لاہور)

(مسند للامام احمد بن حنبل، مسند انس بن مالک، جلد19، صفحہ 346، موسسۃ الرسالہ: بیروت)

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں قبیل **"باب الصلوٰۃ الی الراحلة"** سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"لاتصفوا بین الاساطین واتموا الصفوف"۔

یعنی ستونوں کے بیچ میں صف نہ باندھو اور صفیں پوری کرو۔

(عمدۃ القاری شرح البخاری: کتاب الصلوۃ، باب الصلوٰۃ بین السواری فی غیر جماعۃ، جلد4، صفحہ 741، دار الکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

صحیح بخاری میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: دخل النبی البیت و اسامة بن زیدو عثمان بن طلحة و بلال، فاطال ثم خرج، کنت اول الناس دخل علی اثرہ، فسالت بلالاً: این صلی؟قال: بین العمو دین المقدمین"

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ، اسامہ بن زید، عثمان بن طلحہ اور بلال رضی اللہ عنہم خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے، آپ اندر کافی دیر تک رہے اور پھر باہر تشریف لے آئے، میں سب سے پہلے آپ کے پیچھے آیا اور حضرت بلال سے دریافت کیا، نبی کریم ﷺ نے کہاں نماز ادا کی؟ انہوں نے جواب دیا: آگے والے دو ستونوں کے درمیان۔

(صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ، باب الصلوۃ بین السواری فی غیر الجماعۃ، جلد1، صفحہ 138، حدیث:504، مطبوعہ: لاہور)

امام بخاری نے صحیح بخاری میں باب قائم کیا:

"باب الصلاۃ بین السواری فی غیر جماعة"۔

یعنی جماعت کے علاوہ ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے کا باب۔

(صحیح البخاری: کتاب الصلوۃ، باب الصلوۃ بین السواری فی غیر جماعۃ، جلد 1، صفحہ 138، مطبوعہ: لاہور)

علامہ محمود عینی کہ اجلہ ائمہ حنفیہ سے ہیں اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

"قید بغیر جماعۃ لان ذٰلک یقطع الصفوف و تسویۃ الصفوف فی الجماعۃ مطلوبۃ بعینہ"۔

یعنی بغیر جماعت کی قید اس لئے ہے کہ یہ (نمازی کا دو ستونوں کے درمیان ٹھہرنا) صفوں کو توڑنا ہے حالانکہ صفوں کا مکمل و برابر ہونا جماعت میں مطلوب ہے۔

(عمدۃ القاری شرح البخاری: باب الصلاۃ بین السواری فی غیر جماعۃ، جلد 4، صفحہ 417، 416، دار الکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

اسی طرح فتح الباری شرح صحیح بخاری میں امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"انما قید بغیر الجماعۃ لان ذلک یقطع الصفوف، و تسویۃ الصفوف فی الجماعۃ مطلوب،
و قال الرافعی فی شرح المسند: احتج البخاری بھذا الحدیث، ای حدیث ابن عمر عن بلال، علی انہ لا باس بالصلاۃ بین الساریتین اذا لم یکن فی جماعۃ،
قال المحب الطبری: کرہ قوم الصف بین السواری للنھی الوارد عن ذالک، محل الکراھۃ عند عدم الضیق"۔

ترجمہ: امام بخاری نے "**بغیر الجماعۃ**" کی قید لگائی، کیونکہ یہ قطع صف ہوگا، اور جماعت میں صفیں برابر کرنا مطلوب ہے،

اور امام رافعی شرح مسند میں فرماتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث یعنی حضرت ابن عمر عن بلال رضی اللہ عنھما سے اس بات پر دلیل لی کہ جماعت کے علاوہ دونوں ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے میں کچھ حرج نہیں۔

اور امام محب طبری نے فرمایا:

ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے کی ممانعت وارد ہونے کی وجہ سے بہت سے علماء اسے مکروہ فرماتے ہیں، اور کراہت اس وقت ہوگی جب جگہ میں گنجائش ہو۔ (جب تنگی ہو تو کراہت نہیں)

(فتح الباری شرح البخاری باب الصلاۃ بین السواری فی غیر جماعۃ، جلد 1، صفحہ 689، دار الریان للتراث: قاہرہ، مصر)

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ابن حبیب سے ہے:

"لیس النھی عن تقطیع الصفوف اذا ضاق المسجد و انما نھی عنہ اذا کان المسجد واسعا"۔

جب مسجد (میں جگہ) تنگ ہو تو اس وقت صفوں کو توڑنا منع نہیں، یہ اسوقت منع ہے جب مسجد میں گنجائش ہو۔

(عمدۃ القاری شرح البخاری: باب الصلاۃ بین السواری فی غیر جماعۃ، جلد 4، صفحہ 417، دار الکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

اُسی میں ہے: **"قال مالک فی المدونۃ لا باس بالصلاۃ بینھما لضیق المسجد"** اھ۔

ترجمہ: امام مالک مدوّنہ میں فرماتے ہیں جب مسجد تنگ ہو تو دوستونوں کے درمیان نماز پڑھنے میں حرج نہیں اھ۔

(عمدۃ القاری شرح البخاری باب الصلاۃ بین السواری فی غیر جماعۃ، جلد4، صفحہ 417، دارالکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

امام اہلسنت **امام احمد رضاخان قادری** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بے ضرورت مقتدیوں کا دَر (دروازہ) میں صف قائم کرنا یہ سخت مکروہ کہ باعث قطعِ صف ہے اور قطع صف ناجائز، ہاں اگر کثرتِ جماعت کے باعث جگہ میں تنگی ہو اس لئے مقتدی دَر میں اور امام محراب میں کھڑے ہوں تو کراہت نہیں۔ یونہی اگر مینہ کے باعث پچھلی صف کے لوگ دروں میں کھڑے ہوں تو یہ ضرورت ہے۔"**والضرو رات تبیح المحظورات**" (سخت ضرورت ممنوعات کو مباح کردیتی ہے۔ت) رہا اکیلا، اسکے لئے ضرورت، بے ضرورت محراب میں، دَر میں مسجد کے کسی حصہ میں کھڑا ہونا اصلاً کراہت نہیں رکھتا۔

(فتاوی رضویہ، کتاب الصلاۃ، باب اماکن الصلاۃ، جلد6، صفحہ 131، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے:

"**اذ کان منفردا لا باس فی الصلاۃ بین الساریتین اذا لم یکن فی جماعۃ**"۔

جب تنہا نماز ادا کر رہا ہو تو دوستونوں کے درمیان نماز ادا کرنے میں حرج نہیں جبکہ وہ جماعت میں نہ ہو۔

(عمدۃ القاری شرح البخاری باب الصلاۃ بین السواری فی غیر جماعۃ، جلد4، صفحہ 415، دارالکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"اس بیان سے واضح ہوا کہ زید و عمر دونوں کے کلام میں دو دو غلطیاں ہیں زید نے دَر (دروازہ) میں نماز ناجائز بتائی یہ زیادت ہے (شرعی مسئلہ میں حد سے بڑھنا ہے حالانکہ یہ) ناجائز نہیں، ہاں امام کو مکروہ ہے۔ یونہی منفرد کو اس حکم میں شریک کرنا ٹھیک نہیں، خود حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جب کعبہ معظمہ تشریف لے گئے، دوستونوں کے درمیان نماز پڑھی۔ **کما فی ثبت فی الصحاح عن ابن عمر عن بلال رضی اللہ تعالٰی عنھم**۔ جیسا کہ صحاح میں حضرت ابن عمر نے حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنھم سے روایت کیا ہے۔

عمرو کا امام کو دَر (دروازہ) میں کھڑا ہونا بلا کراہت جائز ماننا صحیح نہیں، یونہی منفرد کا محراب میں قیام مکروہ جاننا کہ یہاں جو وجوہِ کراہت علماء نے لکھے ہیں یعنی شبہ اختلاف مکان امام و جماعت یا اشتباہ حال یا تشبہ اہل کتاب ان میں سے کوئی وجہ منفرد کے لئے متحقق نہیں۔ (فتاوی رضویہ، جلد6، باب اماکن الصلوۃ، صفحہ 133 تا136، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

الجواب صحیح
أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ أتم و أحکم
کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ
18 ربیع الآخر 1441ھ 4 دسمبر 2020

کسی کا مشہور عیب پیٹھ پیچھے بیان کرنا غیبت ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ کسی کے مشہور عیب کو پَسِ پُشت (پیٹھ پیچھے) بیان کرنا غیبت ہے یا نہیں؟
سائل: محمد عاکف (فیصل آباد، پاکستان)

الجواب

غیبت سے مراد اپنے زندہ یا مردہ مسلمان بھائی کی عدم موجودگی میں اس کے پوشیدہ عیوب کو (جن کا دوسروں کے سامنے ظاہر ہونا اُسے ناپسند ہو) اس کی برائی کے طور پر ذکر کیا جائے، اور اگر وہ بات اس میں موجود نہ ہو تو اسے بہتان کہتے ہیں ۔غیبت بہت سخت گناہ ہے یہاں تک کہ اسے اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی، جب کسی اجنبی یا زندہ شخص کا گوشت کھانا ہم انتہائی برا سمجھتے ہیں تو اپنے ہی مردہ بھائی کا گوشت کھانا کس قدر سخت ہو گا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ
جس طرح غیبت کرنا گناہ اسی طرح سننا بھی گناہ ہے، ہاں اگر کوئی شخص غیبت کرنے والے کو فوراً غیبت کرنے سے منع کردے تو گناہ گار نہیں، اور اگر منع کرنے پر قادر ہو تو منع کرے یا گفتگو کا موضوع بدلنے کی کوشش کرے، یا اٹھ کر چلا جائے، اور اگر کسی بھی طرح غیبت سننے سے بچنا ممکن نہ ہو تو کم از کم اسے دل میں ضرور بُرا جانے۔
البتہ جس کی بُرائی سے لوگوں کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہو تو دوسروں کو اُس سے بچانے کیلئے بَقدرِ ضَرورت صرف اُسی بُرائی کا تذکرہ کرنا جائز ہے۔ مثلاً جو تاجر دھوکے سے ملاوٹ والا مال بیچتا ہو اُس سے مسلمانوں کو بچانے کیلئے اُس کے اُس ناقِص مال کی نشاندہی کرنا۔ اور جو شخص اعلانیہ گناہ کرتا ہو مثلاً چوری، ڈکیتی، دھوکہ دینا، جُوے کے اڈے چلانا، کھل عام شراب پینا اور داڑھی منڈانا یا ایک مٹھی سے گھٹانا وغیرہ اور ان برائیوں کے ذکر پر ناگواری بھی محسوس نہ کرتا ہو جیسا کہ آج کل بعض لوگ اپنی برائیوں پر چرچا ہونے پر بجائے رنجیدہ ہونے کے فخر محسوس کرتے ہیں تو ان کی صرف اسی برائی کا تذکرہ کرسکتے ہیں، لیکن اس کے دیگر خفیہ عیوب کو بیان کرنے کی اجازت نہیں، یہ بھی اس وقت ہے کہ جب اس برائی کے تذکرے سے لوگوں کو اس کے شر سے بچانا مقصود ہو یا ایسے شخص کے سامنے بیان کرنا جو اس کی اصلاح

کر سکتا ہو جیسے پیر، والدین یا استاذ وغیرہ تو اگرچہ شرعاً یہاں غیبت کی اجازت ہے لیکن بچنا بہتر ہے۔ بالخصوص جبکہ اس کے اس عیب کو بیان کرنے میں مقصد اپنی دلی بھڑاس نکالنا ہو۔

قراٰن پاک میں ارشاد ہوتا ہے :

"وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ"۔

ترجمہ: اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی پسند رکھے گا کہ اپنے مرے بھائی کا گوشت کھائے تو یہ تمہیں گوارا نہ ہو گا۔ (پارہ26، سورۃ الحجرٰت:12)

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"شبه المغتاب بآكل لحم اخيه ميتاًاذاهو اقبح من الاجنبي ومن الحي، فكمايحرم لحمه يحرم عرضه، قال صلی اللہ علیہ والہ وسلم: كل المسلم على المسلم حرام، دمه وماله وعرضه" رواه مسلم وغيره"۔

ترجمہ: غیبت کرنے کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کی تشبیہ دی گئی کیونکہ کسی اجنبی یا زندہ شخص سے مردہ بھائی کا گوشت کھانا زیادہ قبیح ہے، پس جیسے مسلمان کا گوشت حرام ہے اسی طرح اس کی عزت بھی حرام ہے۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل في البيع، جلد9، صفحہ586، دار عالم الکتب: ریاض)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسولِ اکرم صلي اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

"اتذرون ماالغيبة؟ قالوا: الله ورسوله اعلم، قال: ذكرك اخاك بمايكره، قيل: افرايت ان كان في اخي مااقول؟ قال: ان كان فيه ماتقول فقداغتبته، وان لم يكن فيه فقدبهته"۔

ترجمہ: "تمہیں معلوم ہے غیبت کیا چیز ہے؟" لوگوں نے عرض کی: "اللہ و رسول عزوجل و صلي اللہ علیہ وسلم کو اس کا بہتر علم ہے۔

"ارشاد فرمایا: "غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کے بارے میں ایسی بات کہو جو اسے بری لگے۔" کسی نے عرض کی: "اگر میرے بھائی میں وہ برائی موجود ہو تو اس کو بھی کیا غیبت کہا جائے گا؟

"ارشاد فرمایا: "جو کچھ تم کہتے ہو اگر اس میں موجود ہو جبھی تو غیبت ہے اور اگر تم ایسی بات کہو جو اس میں موجود نہ ہو تو یہ بہتان ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الغیبۃ، جلد2، صفحہ1202، حدیث:2589، دار طیبہ: ریاض)

اُمُّ الْمُومِنین حضرتِ سَیِّدَتُنا عائِشَہ صِدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رِوایَت فرماتی ہیں: میں نے نبیِّ کریم، رءُوفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے عرض کی:

"حسبک من صفیة کذاوکذا،قال:غیرمسدد،تعنی قصیرة،فقال:لقدقلت کلمة لومزجت بماء البحرلمزجته"

ترجمہ: صَفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ایسی ہیں ایسی ہیں یعنی پَستہ قد ہیں، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ "تم نے ایسا کلمہ کہا (یعنی ایسی بات کہی) کہ اگر سمندر میں ملایا جائے تو اُس پر غالب آجائے۔"

(سُنَنِ ابو داود، کتاب الادب، باب فی الغیبۃ، جلد7 صفحہ 237 حدیث 4875، دارالرسالۃ العالمیہ: دمشق)

یعنی کسی پَست قد کو بھی پَستہ قد، ناٹا، ٹھگنا کہنا غیبت میں داخِل ہے، جبکہ بِلاضَرورت ہو۔ اور اگر اس کی شہرت ہی اسی کیساتھ ہو تو حرج نہیں۔ چنانچہ رِیاضُ الصّالحین "میں ہے:

"فاذاکان الانسان معروفاًبلقب، کالاعمش والاعرج والاصم والاعمی والاحول وغیرھم، جازتعریفھم بذلک، ویحرم اطلاقه علی جھة التنقص، ولو امکن تعریفه بغیر ذلک، کان اولیٰ"۔

یعنی کوئی شخص اعمش (جس کی نظر کمزور ہو) اَعرَج (لنگڑے) اَصَم (بہرے)، اَعمٰی (اندھے)، اَحوَل (بھینگے) کے لقب سے مشہور ہے تُو اس کی معرفت وشناخت (یعنی پہچان) کے لیے ان اَوصاف وعلامات کے ساتھ ذکر کرنا جائز ہے مگر تَنقیص (یعنی خامی بیان کرنے) کے ارادے سے ان اَوصاف کے ساتھ تذکرہ جائز نہیں۔ اگر (خامی بھرے) لقب کے بِغیر پہچان ہو سکتی ہو تو بہتر یہ ہے کہ لقب بیان نہ کرے۔

(الفوائد المترعہ شرح رِیاضُ الصّالحین لِلنَّوَوی: کتاب الادب: باب مایباح الغیبۃ، جلد6، صفحہ 244، ادارۃ العامۃ للاوقاف: قطر)

درمختار میں غیبت کی تعریف اس طرح کی گئی: "الغیبة ان تصف اخاک حال کونه غائباًبوصف یکرھه اذاسمعه"۔

ترجمہ: اپنے مسلمان بھائی کو ایسی بات کیساتھ موصوف کرنا جسے وہ سنے تو ناپسند کرے غیبت کہلاتا ہے۔

(درمختار، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل فی البیع، جلد9، صفحہ 587، دارعالم الکتب: ریاض)

صدرُ الشَّریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی نے غیبت کی تعریف اس طرح بیان کی ہے:

کسی شخص کے پوشیدہ عیب کو (جن کا دوسروں کے سامنے ظاہر ہونا اُسے ناپسند ہو) اس کی برائی کرنے کے طور پر ذکر کرنا اور اگر اس میں وہ بات ہی نہ ہو تو یہ غیبت نہیں بلکہ بہتان ہے۔

(بہارِ شریعت: جلد3 حصّہ16، صفحہ 532، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

ردالمحتار میں ہے:

"ان المستمع لایخرج من اثم الغیبۃ الا بان ینکر بلسانہ، فان خاف فبقلبہ، و ان کان قادراً علی القیام او قطع الکلام بکلام آخر فلم یفعلہ لزمہ، کذافی الاحیاء"۔

غیبت کا سننا بھی گناہ ہے سوائے اس کے کہ اپنی زبان سے اس پر انکار کرے (یعنی غیبت کرنے والے کو غیبت کرنے سے منع کرے) تو اگر (غیبت کرنے والے سے) خوف ہو تو اپنے دل میں برا جانے، اور اگر وہاں سے کھڑے ہو جانے یا بات کو موضوع تبدیل کرنے پر قادر ہو پھر بھی نہ کرے (بلکہ چپ چاپ غیبت سنتا رہے تو اسے اس کا گناہ) لازم ہے۔ اسی طرح احیاء العلوم میں ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل في البیع، جلد9، صفحہ588، دار عالم الکتب: ریاض)

ردالمحتار میں ہے:

"وفی تنبیہ الغافلین للفقیہ ابی اللیث: الغیبۃ علی اربعۃ اوجہ:

فی وجہ: ھی کفر بان قیل لہ لاتغتب فیقول لیس ھذا غیبۃ لانی صادق فیہ، فقد استحل ماحرم بالادلۃ القطعیۃ، وھو کفر۔

وفی وجہ: ھی نفاق: بان من لایسمیہ عند یعرفہ، فھو مغتاب ویری من نفسہ انہ متورع فھذا ھو النفاق۔

وفی وجہ: ھی معصیۃ: وھو ان یغاب معینا ویعلم انھا معصیۃ فعلیہ التوبۃ۔

وفی وجہ: ھی مباح: وھو ان یغتاب معلنا بفسقہ او صاحب بدعۃ، و ان اغتاب الفاسق لیحذرہ الناس یثاب علیہ لانہ من النھی عن المنکر۔اھ۔

یعنی فقیہ ابو اللیث نے فرمایا کہ غیبت چار 4 قسم کی ہے:

ایک کفر اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص غیبت کر رہا ہے اس سے کہا گیا کہ غیبت نہ کرو۔ کہنے لگا یہ غیبت نہیں میں سچا ہوں، اس شخص نے ایک حرام قطعی کو حلال بتایا۔

دوسری صورت نفاق ہے کہ ایک شخص کی برائی کرتا ہے اور اس کا نام نہیں لیتا مگر جس کے سامنے برائی کرتا ہے، وہ اس کو جانتا پہچانتا ہے، لہذا یہ غیبت کرتا ہے اور اپنے کو پرہیزگار ظاہر کرتا ہے، یہ ایک قسم کا نفاق ہے۔

تیسری صورت معصیت ہے وہ یہ کہ غیبت کرتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ یہ حرام کام ہے ایسا شخص توبہ کرے۔

چوتھی صورت مباح ہے وہ یہ کہ فاسق معلن یا بدمذہب کی برائی بیان کرے، بلکہ جبکہ لوگوں کو اس کے شر سے بچانا مقصود ہو تو ثواب ملنے کی امید ہے، کیونکہ یہ برائی سے روکنا ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل في البیع، جلد9، صفحہ586، دار عالم الکتب: ریاض)

فرمانِ مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہے:

"اترعون عن ذکر الفاجر متی یعرفه الناس اذکر و الفاجر بمافیه یحذره الناس"۔

ترجمہ: کیا فاجِر کے ذکر سے بچتے ہو اس کو لوگ کب پہچانیں گے! فاجِر کا ذکر اس چیز کے ساتھ کرو جو اس میں ہے تا کہ لوگ اس سے بچیں۔

(نوادرالاصول للترمذی: الاصل السادس والستون والمائۃ فی ذکر الفاجر، جلد2، صفحہ 257، دارالجیل: بیروت، لبنان)

اسی حدیث کی بناء پر علماء اسلام فرماتے ہیں کہ جس کی بُرائی سے نقصان پہنچنے کا خَدشہ ہو تو دوسروں کو اُس سے بچانے کیلئے بَقدَرِ ضَرورت صِرف اُسی بُرائی کا تذکِرہ مثلًا جو تاجِر دھوکے سے ملاوٹ والا مال بیچتا ہو اُس سے مسلمانوں کو بچانے کیلئے اُس کے اُس ناقِص مال کی نشاندہی کرنا۔ چنانچہ علامہ علاؤالدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"واذاکان الرجل یصوم ویصلی ویضر الناس بیدہ ولسانہ،فذکرہ بمافیہ لیس بغیبۃ،حتی لواخبر السلطان بذلک لیزجرہ لااثم علیہ،وکذالوذکر مساوی اخیہ علی وجہ الاھتمام لایکون غیبۃ،انما الغیبۃ ان یذکر علی وجہ الغضب یریدالسب، کماتکون الغیبۃ باللسان صریحاً تکون ایضاً بالفعل وباالتعریض وبالکتابۃ وبالحرکۃوبغمز العین والاشارۃ بالیدوکل مایفھم منہ بالمقصود فھو داخل فی الغیبۃ وھو حرام"۔

جب کوئی شخص نمازوروزہ بھی کرے اور لوگوں کو اپنے ہاتھ یا زبان سے نقصان بھی پہنچاتا ہو تو اس کی اس برائی کو بیان کرنا غیبت نہیں، یہاں تک بادشاہ وغیرہ کے سامنے اس کو بیان کرنا تا کہ وہ اس کو ڈانٹ ڈپٹ کرے گناہ نہیں، اسی طرح اپنے بھائی کے سامنے بطورِ افسوس اس برائی کا ذکر کرنا بھی غیبت نہیں، غیبت صرف یہ ہے کہ غصہ نکالنے کیلئے اس کی برائی کو بیان کرنا اور اس سے اردہ اس کی برائی کرنے کا ہو، جیسے غیبت زبان سے ہوتی ہے اسی طرح فعل، تعریض، تحریر، حرکت، آنکھ اور ہاتھ کے اشارے وغیرہ سے بھی ہوتی ہے، بہر حال ہر وہ طریقہ جس سے غیبت کرنا سمجھا جائے غیبت میں داخل ہے اور حرام ہے۔

(در مختار مع ردالمحتار: کتاب الحظر والإباحۃ، فصل فی البیع، جلد9، صفحہ 585 تا587، دارعالم الکتب: ریاض)

خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ غیبت کی چند جائز صورتوں کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الاولیٰ: الاستعانۃ بمن لہ قدرۃ علی زجرۃ۔ الثانیۃ: ذکرہ علی وجھہ الاھتمام۔ الثالثہ: الاستفتاء قال فی تبیین المحارم بان یقول للمفتی ظلمنی فلان کذاو کذاو ماطریق الخلاص۔ الرابعۃ: بیان العیب لمن اراد ان یشتری عبداوھو سارق اوزان فیذکرہ للمشتری،وکذالورای المشتری یعطی البائع دراھم مغشوشۃ فیقول احترز منہ بکذا۔ الخامسۃ: قصدالتعریف کان یکون معروفاًبلقبہ کالاعرج والاعمش والاحول۔ السادسۃ: جرح المجروحین من الرواۃ والشھود والمصنفین فھو جائز بل واجب صوناًللشریعۃ"۔

(**1**) جو شخص اس کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے پر قادر ہو اس سے مدد طلب کرنے کیلئے غیبت کرنا۔

(2) اس کی اس برائی کا بطور افسوس ذکر کرنا (جبکہ واقعی افسوس ہو، اور اگر بظاہر افسوس کرتے ہوئے دل کی بھڑاس نکالنا مقصود ہو تو ہرگز جائز نہیں)

(3) مفتی سے فتوی طلب کرتے ہوئے کہ فلاں مجھ پر اس اس طرح ظلم کرتا ہے، اس سے خلاصی کا طریقہ کیا ہے۔

(4) اس شخص کے سامنے عیب بیان کرنا جو کسی غلام کو خریدنے کا ارادہ رکھتا ہوں حالانکہ وہ غلام چور یا زانی ہو، تو اسے چاہئے کہ خریدار کو اس غلام کا یہ عیب بیان کر دے۔ اسی طرح اگر دیکھے کہ خریدار، بیچنے والے کو کھوٹے درہم (جعلی نوٹ) دے رہا ہے تو اس کو بتائے کہ اس سے بچ کر رہ۔

(5) کسی کے مشہور و معروف لقب کو بطور تعریف بیان کرنا (اگرچہ معنًاوہ عیب ہو) جیسے اعرج (لنگڑا) اعمش (جس کی بینائی کمزور ہو) احول (بھینگا) وغیرہ

(6) محدثین و مصنفین کا حدیث کے راویوں پر جرح کرتے ہوئے ان کے عیوب بیان کرنا تاکہ شریعت مطہرہ ان کے شر سے محفوظ رہے ان کے عیب بیان کرنا جائز ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل في البیع، جلد9، صفحہ 587،586، دار عالم الکتب: ریاض)

ردالمحتار میں ہے:

"الذی لایستترعنه ولایؤثرعنده اذاقیل عنه انه یفعل کذا، ابن الشحنة:قال فی تبیین المحارم:فیجوزذکره بمایجاهربه لاغیره، قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:من القی جلباب الحیاءعن وجهه فلاغیبة له"واماذاکان مستترافلاتجوزغیبة"۔اھ۔

یعنی جو شخص اعلانیہ بُرا کام کرتا ہے اور اس کو اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ لوگ اسے کیا کہیں گے، اس کی اس بُری حرکت کا بیان کرنا غیبت نہیں، مگر اس کے پوشیدہ عیوب کا ذکر کرنا غیبت میں داخِل ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس نے حیا کا حجاب اپنے چِہرے سے ہٹا دیا، اس کی غیبت نہیں۔

(ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل في البیع، جلد9، صفحہ 586، دار عالم الکتب: ریاض)

الجواب صحیح	واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم
أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري	کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ
	6 جمادی الاولیٰ 1441ھ 22 دسمبر 2020

شکار کب حلال اور کب حرام ہو گا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ شکار کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟اور شکار کو کھانا کیسا؟اور کس چیز سے شکار کرنا جائز ہے؟اور شکار کب حلال ہو گا؟ نیز جانور، تیر اور بندوق وغیرہ سے کئے گئے شکار کے حلال ہونے کیلئے کیا شرائط ہیں؟

سائل: محمد خرم عطاری (انار کلی بازار: لاہور، پاکستان)

الجواب

شکار کرنا ایک جائز عمل ہے مگر حرم شریف یا حج و عمرہ کے احرام کی حالت میں خشکی کا جانور شکار کرنا حرام ہے اسی طرح اگر شکار محض لَھو (کھیل کود اور تفریح) کے طور پر ہو تو جائز نہیں۔ہاں اگر شکار کرنے کا کوئی صحیح مقصد ہو تو جائز ہے مثلاً شکار کر کے کھانا یا بیچنا یا دوست احباب کو تحفۃً دینا یا اُس کے چمڑے کو کام میں لانا یا اُس جانور سے اذیت کا اندیشہ ہے اس لیے قتل کرنا وغیرہ۔اور اگر کسی سکھائے ہوئے کتے یا پرندے وغیرہ سے شکار کیا مثلاً باز، شکرا وغیرہ کے ذریعے تو شرائط پائے جانے کی صورت میں حلال ہو گا ورنہ حرام۔نیز بندوق وغیرہ سے کیا گیا شکار اگر زندہ تھا اور اسے ذبح کر لیا گیا تو حلال ہے ورنہ حرام۔

تفصیل و خلاصہ اس باب میں یہ ہے کہ شکار کے حلال ہونے کی کل 15 شرطیں جن کی 3 قسمیں ہیں۔

(1) پانچ شرائط کا تعلق شکار کرنے والے سے ہے:

1. شکاری ان میں سے ہو جن کا ذبیحہ جائز ہوتا ہے۔
2. اُس نے کتّے وغیرہ کو شکار پر چھوڑا ہو۔
3. چھوڑنے میں ایسے شخص کی شرکت نہ ہو جس کا شکار حرام ہو۔
4. بسم اللہ قصداً ترک نہ کی ہو۔
5. چھوڑنے اور پکڑنے کے درمیان کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہوا ہو۔

(2) پانچ شرائط کا تعلق کتے سے:

1. کتّا معلَّم (سکھایا ہوا) ہو۔
2. جدھر چھوڑا گیا ہو اُدھر ہی جائے۔

3. شکار پکڑنے میں ایسا کتّا شریک نہ ہوا ہو جس کا شکار حرام ہے۔

4. شکار کو زخمی کر کے قتل کرے۔

5. اُس میں سے کچھ نہ کھائے۔

(3) پانچ شرائط جن کا تعلق شکار سے۔

1. شکار حشرات الارض میں سے نہ ہو۔

2. پانی کا جانور ہو تو مچھلی ہی ہو۔

3. وہ بھاگ کر یا اڑ کر اپنے آپ کو شکار سے بچائے۔

4. کیلے (گوشت خور جانوروں کے وہ دونوں بڑے دانت جن کے ذریعے سے وہ گوشت کاٹتے یا شکار پکڑتے ہیں) یا پنجہ والا جانور نہ ہو۔

5. شکاری کے وہاں تک پہنچنے سے پہلے ہی مر جائے۔ یعنی ذبح کرنے کا موقع ہی نہ ملا ہو۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِیْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰى عَلَیْكُمْ غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے قول پورے کرو تمہارے لیے حلال ہوئے بے زبان مویشی مگر وہ جو آگے سنایا جائے گا تم کو لیکن شکار حلال نہ سمجھو جب تم احرام میں ہو۔ (پارہ6، المائدہ، آیت:1)

اور فرماتا ہے:

"وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا"۔

ترجمہ: اور جب تم احرام سے باہر ہو جاؤ تو شکار کر سکتے ہو۔ (پارہ6، المائدہ، آیت:2)

اور فرماتا ہے:

یَسْــٴَـلُوْنَكَ مَا ذَاۤ اُحِلَّ لَهُمْؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُۙ وَ مَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِیْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ٘ فَكُلُوْا مِمَّاۤ اَمْسَكْنَ عَلَیْكُمْ وَ اذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهِ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ"۔

ترجمہ: اے محبوب تم سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال ہو۔ تم فرما دو کہ حلال کی گئیں تمہارے لیے پاک چیزیں اور جو شکاری جانور تم نے سکھا لیے انہیں شکار پر دوڑاتے جو علم تمہیں خدا نے دیا اس میں اُنہیں سکھاتے تو کھاؤ اس میں سے جو مار کر تمہارے لیے رہنے دیں اور اس پر اللہ کا نام لو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔

(پارہ6، المائدہ، آیت:4)

اور فرماتا ہے:

"اُحِلَّ لَکُمۡ صَیۡدُ الۡبَحۡرِ وَطَعَامُہٗ مَتَاعًا لَّکُمۡ وَلِلسَّیَّارَۃِ وَحُرِّمَ عَلَیۡکُمۡ صَیۡدُ الۡبَرِّ مَا دُمۡتُمۡ حُرُمًا"۔

ترجمہ: دریا کا شکار تمہارے لیے حلال ہے اور اس کا کھانا تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کو اور تم پر حرام ہے خشکی کا شکار جب تک تم احرام میں ہو۔ (پارہ7، المائدہ، آیت:96)

حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وسلَّم نے فرمایا:

"احله لان الله قداحله، قد كانت لله قبلي رسل كلهم يصطاد (اويطلب الصيد)، وابتغ على نفسك وعيالك حلالاً، فان ذلك جهاد في سبيل الله، واعلم ان عون الله في صالح التجار"۔

ترجمہ: شکار کو حلال جانو اس لیے کہ اللہ عزوجل نے اس کو حلال فرمایا مجھ سے پہلے اللہ (عزوجل) کے بہت سے رسول تھے وہ سب شکار کیا کرتے تھے۔ (یا فرمایا: سب شکار طلب کرتے تھے) اپنے لیے اور اپنے بال بچوں کے لیے حلال رزق تلاش کرو اس لیے کہ یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ کی طرح ہے اور جان لو کہ اللہ (عزوجل) صالح تجار کا مددگار ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی: جلد8، صفحہ 60،61، الحدیث:7342، مکتبہ ابن تیمیہ: القاہرہ)

صحیح بخاری میں عدی بن حاتم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی کہتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وسلَّم نے فرمایا:

"اذاارسلت كلبك وسميت وقتل فكل وان اكل فلاتاكل، فانماامسك على نفسه، واذاخالط كلاباًلم يذكر اسم الله عليهافامسكن فقتلن فلاتاكل، فانك لاتدري ايهاقتل، وان رميت الصيدفوجدته بعديوم اويومين ليس به الااثر سهمك فكل، وان وقع في الماءفلاتاكل"۔

ترجمہ: جب تم اپنا کتّا چھوڑو تو بسم اللہ کہہ لو اگر اس نے پکڑ لیا اور تم نے جانور کو زندہ پالیا تو ذبح کر لو اور اگر کتّے نے مار ڈالا ہے اور اُس میں سے کچھ کھایا نہیں تو کھاؤ اور اگر کھالیا تو نہ کھاؤ کیونکہ اُس نے اپنے لیے شکار پکڑا اور اگر تمہارے کتّے کے ساتھ دوسرا کتّا شریک ہو گیا اور جانور مر گیا تو نہ کھاؤ کیونکہ تمہیں یہ نہیں معلوم کہ کس نے قتل کیا اور جب شکار پر تیر چھوڑو تو بسم اللہ کہہ لو اور اگر شکار غائب ہو گیا اور ایک دن تک نہ ملا اور اُس میں تمہارے تیر کے سوا کوئی دوسرا نشان نہیں ہے تو اگر چاہو کھاسکتے ہو اور اگر شکار پانی میں ڈوبا ہوا ملا تو نہ کھاؤ۔

(صحیح البخاری"، کتاب الصید، اذا غاب...الخ، باب الصید، جلد1، صفحہ 1356،1357 الحدیث:5484، دار ابن کثیر: بیروت، لبنان)

امام بخاری نے عطاء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

"ان شرب الدم ولم یاکل فکل"۔

ترجمہ: اگر کتّے نے شکار کا خون پی لیا اور گوشت نہ کھایا تو اُس جانور کو کھا سکتے ہو۔

(صحیح البخاري"، کتاب الذبائح ...إلخ، باب اذا اکل الکلب، جلد1، صفحہ1396، الحدیث:5483، دارابن کثیر: بیروت، لبنان)

صحیح بخاری میں ابو ثعلبہ خُشَنِی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

"وماصدت بقوسک فذکرت اسم اللہ فکل،وماصدت بکلبک المعلم فذکرت اسم اللہ فکل،وماصدت بکلبک غیرمعلم فادرکت ذکاته فکل"۔

ترجمہ: کمان سے جو تم نے شکار کیا اور بسم اللہ کہہ لی تو کھاؤ اور معلم کتّے سے جو شکار کیا اور بسم اللہ کہہ لی تو کھاؤ اور غیر معلم سے جو شکار کیا ہے اور اُسے ذبح کر لیا تو کھاؤ۔

(صحیح البخاري"، کتاب الذبائح، باب صید القوس، جلد1، صفحہ1395، الحدیث:5478، دارابن کثیر: بیروت)

کتاب الآثار میں امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی ہے کہ فرمایا:

"ماامسک علیک کلبک ان کان عالماً،فکل،فان اکل فلاتاکل منه،فانماامسک علی نفسه،واماالصقروالبازی،فکل وان اکل،فان تعلیمه اذادعوته ان یجیئک،ولایسطیع ضربه حتی یدع الاکل"۔

ترجمہ: تمہارے کتّے نے جس چیز کو تمہارے لیے پکڑا ہے اسے کھاؤ اگر وہ سیکھا ہوا ہو پھر اگر اُس کتّے نے اس سے کچھ کھالیا تو نہ کھاؤ اس لیے کہ اس نے اپنے ہی لیے پکڑا ہے، بہر حال شکرہ اور باز نے اگرچہ اس میں سے کچھ کھالیا ہو تب بھی کھا سکتے ہو کیونکہ اس کی تعلیم یہ ہے کہ جب تم اُسے بلاؤ تو آجائے اور وہ تمہاری مار کی برداشت نہیں رکھتا یہاں تک کہ وہ خود کھانا چھوڑ دے۔

(کتاب الآثار، کتاب الحظر والاباحۃ، باب صید الکلب، الحدیث:823، صفحہ697، دارالنور: بیروت، لبنان)

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی، فرماتے ہیں:

"المقتولة بالبندقة:تلک الموقوذة"۔

ترجمہ: غُلہ (۔ مٹی کی گولی (چھوٹا ڈھیلا) یا چھوٹا پتھر جسے غلیل میں رکھ کر مارتے ہیں) مارنے سے جو جانور مر گیا وہ موقوذہ (وہ جانور جس کو لکڑی وغیرہ سے ضرب لگائی جائے اور وہ چوٹ کھا کر مر جائے) ہے۔ (یعنی اُس کا کھانا حرام ہے)۔

(صحیح البخاري"، کتاب الذبائح ...إلخ، باب صید المعراض، ج1، صفحہ1394، دارابن کثیر: بیروت، لبنان)

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت حسن بصری اور ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا:

"اذاضرب صیدافبان منه یداورجل لاتاکل الذی بان,وکل سائرة,وقال ابراھیم:اذاضربت عنقه اووسطه فکله"۔

ترجمہ: جب شکار کو مارا جائے اور اُس کا ہاتھ یا پیر کٹ کر الگ ہو جائے تو الگ ہونے والے کو نہ کھایا جائے اور باقی کو کھا سکتا ہے ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ جب گردن یا وسطِ جسم میں (جسم کے درمیان میں) مارو تو کھا سکتے ہو۔(یعنی گردن جدا ہو جائے یا وسط سے کٹ جائے تو اس ٹکڑے کو بھی کھایا جائے گا)

(صحیح البخاري"، کتاب الذبائح...إلخ، باب صید القوس، جلد1، صفحہ 1395، دارابن کثیر: بیروت، لبنان)

امام طبرانی اور حاکم نے زِربن حُبَیْش سے روایت کی کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سُنا وہ فرماتے ہیں:

"ولایحذفن احدکم الارنب بعصاۃاوبحجرفیاکلھاولیزک لکم الاسل الرماح والنبل,واللفظ الطبرانی"۔

یعنی خرگوش کو لکڑی یا پتھر سے مار کر (بغیر ذبح کئے) نہ کھاؤ لیکن بھالے (نیزہ) اور برچھی (چھوٹا نیزہ) اور تیر سے مار کر کھاؤ۔ یہ طبرانی کے الفاظ ہیں۔

(المعجم الکبیر"، صفۃ عمر بن الخطاب، الحدیث 51،، جلد1، صفحہ 65، مکتبہ ابن تیمیہ: القاہرہ)

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ، باب مناقب عمر، الحدیث: 4479، جلد3، صفحہ 87، دار کتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"فالصیدھو الحیوان المتوحش الممتنع عن الآدمی,ماکولاکان اوغیرماکول"۔

یعنی شکار اُس وحشی جانور کو کہتے ہیں جو آدمیوں سے بھاگتا ہو اور بغیر حیلہ نہ پکڑا جا سکتا ہو اور کبھی فعل یعنی اس جانور کے پکڑنے کو بھی شکار کہتے ہیں۔ (حرام و حلال دونوں قسم کے جانور کو شکار کہتے ہیں)

(الفتاوی الھندیۃ، کتاب الصید، الباب الاول فی تفسیرہ ورکنہ وحکمہ، جلد5، صفحہ 502، دار الکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

علامہ علاؤالدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"(وھومباح الا) لمحرم فی غیرہ الحرم او (للتلھی)"۔

یعنی شکار کرنا ایک مباح فعل ہے مگر حرم یا احرام میں خشکی کا جانور شکار کرنا حرام ہے اسی طرح اگر شکار محض لھو کے طور پر ہو تو وہ مباح نہیں۔ (الدرالمختار: کتاب الصّید، جلد10، صفحہ 45،46، دار عالم الکتب: ریاض)

صدرالشریعہ بدرالطریقہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"اکثر اس فعل سے مقصود ہی کھیل اور تفریح ہوتی ہے اسی لیے عرف عام میں شکار کھیلنا بولا جاتا ہے جتنا وقت اور پیسہ شکار میں خرچ کیا جاتا ہے اگر اس سے بہت کم داموں میں گھر بیٹھے ان لوگوں کو وہ جانور مل جایا کرے تو ہر گز راضی نہ ہوں گے وہ یہی چاہیں گے کہ جو کچھ ہو ہم تو خود اپنے ہاتھ سے شکار کریں گے اس سے معلوم ہوا کہ ان کا مقصد کھیل اور لھو ہی ہے، شکار کرنا جائز و مباح اُس وقت ہے کہ اس کا صحیح مقصد ہو مثلاً کھانا یا بیچنا یا دوست احباب کو ہدیہ کرنا یا اُس کے چمڑے کو کام میں لانا یا اُس جانور سے اذیت کا اندیشہ ہے اس لیے قتل کرنا وغیرہ ذلک"۔

اور فرماتے ہیں:

"بعض آدمی جنگلی خنزیر کا شکار کرتے ہیں یا شیر وغیرہ کا جنگلوں میں جا کر شکار کرتے ہیں اس غرض سے نہیں کہ لوگوں کو اُن کی اذیت سے بچائیں بلکہ محض تفریح خاطر اور اپنی بہادری کے لیے اس قسم کے شکار کھیلے جاتے ہیں یہ شکار مباح نہیں"۔ (بہار شریعت: شکار کا بیان: جلد 3، حصہ 17، صفحہ 680، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فالشرط اقتران التسمیۃ بہ، فلو ترکھا عمداً عند الارسال ثم زجرہ معھا فانزجر لم یؤکل صیدہ"۔

یعنی شکار پر چھوڑتے وقت قصداً بسم اللہ نہیں پڑھی بلکہ جب کتّے نے جانور پکڑا اس وقت بسم اللہ پڑھی جانور حلال نہ ہوا کہ بسم اللہ پڑھنا اُس وقت ضروری تھا اب پڑھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔

(ردالمحتار: کتاب الصّید، ج10، صفحہ 51، دار عالم الکتب: ریاض)

صدرالشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"شکار اگر زندہ مل گیا اور ذبح کرنے پر قدرت ہے تو ذبح کرنا ضروری ہے کہ ذکاۃ اضطراری مجبوری کی صورت میں ہے اور یہاں مجبوری نہیں ہے اور اگر جانور اُس کو زندہ ملا مگر یہ اُس کے ذبح پر قدرت نہیں رکھتا ہے کہ وقت تنگ ہے یا ذبح کا آلہ موجود نہیں ہے اس کی دو صورتیں ہیں اگر جانور میں حیاۃ (زندگی، سانس) اتنی باقی ہے جو مذبوح (ذبح کیا ہوا) سے زیادہ ہے تو حرام ہے ورنہ جائز ہے"۔

(بہار شریعت: جانوروں سے شکار سے بیان، جلد 3، حصہ 17، صفحہ 687، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"واما حل اکل الصید فانہ یثبت بخمسۃ عشر شرطا خمسۃ فی الصاعد وھو ان یکون من اھل الذکاۃ وان یوجد منہ الارسال وان لا یشارکہ فی الارسال من لا یحل صیدہ وان لا یترک التسمیۃ عامداً وان لا یشتغل بین

الارسال والاخذبعمل آخر وخمسة فی الکلب ان یکون معلماًو ان یذهب علی سنن الارسال وان لایشارکه فی الاخذمالایحل صیده وان یقتله جرحاوان لایاکل منه وخمسة فی الصیدان لایکون من الحشرات وان لایکون من دواب الماءالسمک وان یمنع نفسه بجناحیه اوبقوائمه وان لایکون متقویاًبنابه اوبمخلبه وان یموت بهذاقبل ان یصل الی ذبحه"۔

یعنی شکار سے جانور حلال ہونے کے لیے پندرہ 15 شرطیں ہیں۔

1. شکاری ان میں سے ہو جن کا ذبیحہ جائز ہوتا ہے۔
2. اُس نے کتّے وغیرہ کو شکار پر چھوڑا ہو۔
3. چھوڑنے میں ایسے شخص کی شرکت نہ ہو جس کا شکار حرام ہو۔
4. بسم اللہ قصداًترک نہ کی ہو۔
5. چھوڑنے اور پکڑنے کے درمیان کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہوا ہو۔
6. کتّا معلَّم (سکھایا ہوا) ہو۔
7. جدھر چھوڑا گیا ہو اُدھر ہی جائے۔
8. شکار پکڑنے میں ایسا کتّا شریک نہ ہوا ہو جس کا شکار حرام ہے۔
9. شکار کو زخمی کر کے قتل کرے۔
10. اُس میں سے کچھ نہ کھائے۔
11. شکار حشراتُ الارض میں سے نہ ہو۔
12. پانی کا جانور ہو تو مچھلی ہی ہو۔
13. وہ بھاگ کر یا اڑ کر اپنے آپ کو شکار سے بچائے۔
14. کیلے (گوشت خور جانوروں کے وہ دونوں بڑے دانت جن کے ذریعے سے وہ گوشت کاٹتے یا شکار پکڑتے ہیں) یا پنجہ والا جانور نہ ہو۔
15. شکاری کے وہاں تک پہنچنے سے پہلے ہی مر جائے۔یعنی ذبح کرنے کا موقع ہی نہ ملا ہو۔

(الفتاوی الھندیۃ، کتاب الصید، الباب الاول فی تفسیرہ ورکنہ وحکمہ، جلد5، صفحہ 502، دارالکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مجموع هذه الشروط لما يحل اکله ولم يدرکه حياً"۔

یعنی یہ تمام شرائط اُس جانور کے متعلق ہیں جو مر گیا ہو اور اس کا کھانا حلال ہو۔

(ردالمحتار، کتاب الصید، جلد10، صفحہ46، دار عالم الکتب: ریاض)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

بندوق کی گولی دربارہ حلت صید (شکار کے حلال ہونے کے) حکمِ تیر میں نہیں، اس کا مارا ہوا شکار مطلقاً حرام ہے۔ کہ اس میں قطع (کاٹنا) وخرق (پھٹنا) نہیں، صدم (جھٹکا دینا) ودق (توڑنا) وکسر (توڑنا) وحرق (جلانا) ہے۔

شامی میں ہے:

"لا يخفى ان الجرح بالرصاص انما هو بالاحراق، والثقل بواسطة اندفاعه العنيف اذ ليس له حد فلا يحل وبه افتى ابن نجيم"۔

یعنی یہ مخفی نہیں کہ تابنے کی گولی کا زخم اس کے جلانے اور ثقل کی وجہ سے ہے جو بذریعہ شدید دباؤ کے حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس کی دھار نہیں ہوتی تو شکار حلال نہیں ہے، اور یہی ابن نجیم کا فتویٰ ہے۔

(ردالمحتار: کتاب الصید، جلد10، صفحہ60، دار عالم الکتب: ریاض)

مطلول شکل کی جو گولیاں ہیں اولا وہ بھی دھار دار نہیں ہوتی بلکہ تقریباً بیضوی شکل پر سنی جاتی ہیں، اور آلہ کا حدید یعنی تیز ہونا اگرچہ شرط نہیں مگر محدد یعنی باڑھ دار ہونا کہ قابل قطع وخرق ہو ضرور ہے۔ ثانیاً اگر بالفرض گولی تیر کی طرح دھار دار رہی بنائی جائے اور اسے بطور معہود بندوق سے سر کریں جب بھی ثبوت حلت میں نظر ہے کہ صرف دھار دار کا وجود ہی کافی نہیں، بلکہ تیقن بھی ضروری ہے، اس کی دھار سے قطع ہونا ہی باعث قتل ہوا۔ اور یہاں ایسا نہیں کہ اس کا احراق (جلانا) وصدمہ (جھٹکا دینا) شدید قاتل ہے **کما سمعت أنفا** (جیسا کہ ابھی آپ نے سنا۔) تو محتمل کہ یہی وجہ قتل ہوا ہو، نہ قطع، اور بحالت شک واحتمال حکم حرمت ہے۔

ہدایہ میں ہے:

" الاصل فی هذه المسائل ان الموت اذا کان مضافا الی الجرح بيقين كان الصيد حلالا، واذا كان مضافا الى الثقل بيقين كان حراما، وان وقع الشك ولا يدرى مات بالضرح او بالثقل كان حراما احتياطا"۔

یعنی ان مسائل میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر موت یقینی طور پر زخم کی طرف منسوب ہو تو شکار حلال ہے، اور اگر وہ ثقل کی طرف منسوب ہو تو یقیناً حرام ہے، اور اگر شک ہو اور معلوم نہ ہو کہ زخم سے مرا ہے یا ثقل سے تو احتیاطاً حرام ہے۔

(الہدایۃ: کتاب الصید، فصل فی الرمی، جلد7، صفحہ334،333، مکتبۃ البشری: کراچی)

اسی میں ہے:

"لایو کل مااصابہ البندقۃ فمات بھا لانھاتدق وتکسر ولاتجرح وکذلک ان رماہ بحجر وکذلک ان جرحہ، قالواتاویلہ اذاکان ثقیلاوبہ حدۃ لاحتمال انہ قتلہ بثقلہ"۔

یعنی بندوق لگنے سے ہلاک شدہ کو نہ کھایا جائے کیونکہ وہ دباؤ سے توڑتی ہے زخم نہیں کرتی، اور اسی طرح اگر پتھر مارا اور دباؤ سے زخمی ہوا، علماء نے فرمایا کہ اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر پتھر بھاری ہو اور اس کی دھار ہو تو حرام ہے کیونکہ احتمال ہے کہ ثقل کے دباؤ سے ہلاک ہوا ہو، اس لئے حرام ہے۔

(الہدایۃ: کتاب الصید، فصل فی الرمی، جلد7، صفحہ 333، مکتبۃ البشری: کراچی)

(فتاوی رضویہ، کتاب الصید، جلد20، صفحہ 344، 343، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

اور فرماتے ہیں:

"اگر ذبح کرلیا اور ثابت ہوا کہ ذبح کرتے وقت اس میں حیات تھی مثلاً پھڑک رہا تھا یا ذبح کرتے وقت تڑپا اگرچہ خون نہ نکلا، یا خون ایسا دیا جیسا مذبوح سے نکلا کرتا ہے اگرچہ جنبش نہ کی، یا کسی اور علامت سے حیات ظاہر ہوئی تو حلال ہے۔ اور اگر بندوق سے مار کر چھوڑ دیا ذبح نہ کیا یا کیا مگر اس میں وقت ذبح حیات کا ہونا ثابت نہ ہوا تو حرام ہے۔ غرض مدار کار اس پر ہے کہ ذبح کرلیا جائے اور وقت ذبح اس میں رمق حیات باقی ہو، اگرچہ نہ جنبش کرے نہ خون نکلے حلال ہو جائے گا، ورنہ حرام۔ (فتاوی رضویہ، کتاب الصید، جلد20، صفحہ 344، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم

کتبہ: ابوحمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

8 جمادی الاولیٰ 1441ھ 24 دسمبر 2020

الجواب صحیح

أبو أطھر محمد أظھر العطاري المدني عفی عنہ الباري

رکوع و سجود کی تسبیحات میں بھولنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ اگر کوئی شخص رکوع میں **"سبحان ربی العظیم"** کی جگہ بھول کر سجدے کی تسبیحات پڑھ لے تو کیا اسے سجدہ سہو کرنا ہوگا؟

سائل: محمد طلحہ (میانوالی: پاکستان)

الجواب

رکوع و سجود کی تسبیحات پڑھنا سنت ہے، اگر کسی نے جان بوجھ کر یا بھولے سے ترک کر دیں یا رکوع کی تسبیحات سجدے میں اور سجدے کی رکوع میں پڑھ دیں تب بھی نماز درست ہو گئی لیکن خلاف سنت ہوئی لہذا اس نماز کا لوٹانا مستحب ہے، لیکن ان کے ترک یا تبدیلی سے سجدہ سہو ہر گز واجب نہیں ہوتا، کیونکہ سجدہ سہو واجب ہونے کیلئے ضروری ہے کہ نماز کے واجبات میں سے کوئی واجب بھولے سے رہ جائے۔ جبکہ یہ تسبیحات واجب ہیں ہی نہیں بلکہ سنت ہیں، اور سنت کے ترک پر سجدہ سہو ہر گز واجب نہیں ہوتا۔

چنانچہ جامع ترمذی میں ہے:

"عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال: اذا رکع احدکم فقال فی رکوعہ: "سبحان ربی العظیم" ثلاث مرات، فقدتم رکوعہ، وذلک ادناہ، واذا سجد فقال فی سجودہ: "سبحان ربی الاعلیٰ" ثلاث مرات، فقدتم سجودہ، وذالک ادناہ۔ وقال الترمذی: والعمل علیٰ ھذا عند اھل العلم، یستحبون ان لاینقص الرجل فی الرکوع والسجود من ثلاث تسبیحات"۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "جب کوئی رکوع کرے اور تین بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم کہے تو اس کا رکوع مکمل ہو گیا اور یہ ادنیٰ درجہ ہے اور جب سجدہ کرے اور تین بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلیٰ کہے تو سجدہ پورا ہو گیا اور یہ ادنی درجہ ہے۔ اور امام ترمذی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اہل علم کا اس پر عمل ہے، اور مستحب ہے کہ تسبیحات میں تین مرتبہ سے کمی نہ کرے۔

(جامع ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود، الحدیث: 261، جلد 1، صفحہ 300، 301، دار الغرب الاسلامی)

فتاوی ہندیہ میں ہے: "وتکبیر الرکوع وتسبیحہ ثلاثاً۔۔ وتکبیر السجود وتسبیحہ ثلاثاً"۔

یعنی رکوع کی تکبیر اور رکوع میں تین بار "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم" کہنا۔۔۔ اور سجدہ کی تکبیر اور دونوں سجدوں میں کم از کم تین بار "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" کہنا۔

(الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب الرابع فی صفۃ الصلاۃ، الفصل الثالث، جلد 1، صفحہ 80، دار الکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"لایجب بترک التعوذ، والبسملۃ فی الاولیٰ، والثناء، وتکبیرات الانتقالات"

ترجمہ: تعوذ و تسمیہ، ثناء و تکبیرات کے ترک سے سجدہ سہو واجب نہیں۔

(الفتاوی الھندیۃ، کتاب الصلاۃ، الباب الثاني عشر في سجود السھو، جلد1، صفحہ139، دارالکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

صدرالشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"سنن و مستحبات مثلاً تعوذ، تسمیہ، ثنا، آمین، تکبیراتِ انتقالات، تسبیحات کے ترک سے بھی سجدۂ سہو نہیں بلکہ نماز ہو گئی۔ مگر اعادہ مستحب ہے سہواً ترک کیا ہو یا قصداً"۔

(بہار شریعت: سجدہ سہو کا بیان: جلد1، حصہ4، صفحہ709، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

الجواب صحیح — واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم

أبو أطھر محمد أظھر العطاري المدني عفی عنہ الباري — کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

29 ربیع الاخری 1441ھ 15 دسمبر 2020

سنتِ ظہر کی آخری رکعتوں میں سورت نہ ملائی تو۔۔۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ اگر کوئی شخص ظہر کی چار سنتوں کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۃ الفاتحہ کیساتھ سورت نہ ملائے تو کیا نماز درست ہو جائے گی؟ سائل: محمد طلحہ (میانوالی: پاکستان)

الجواب

صورت مسئولہ میں اگر بھولے سے سورت نہ ملائی تو سجدہ سہو واجب ہوا، اگر سجدہ سہو کر لیا تو نماز بلا کراہت درست ہو گئی اور اگر سجدہ سہو نہ کیا یا جان بوجھ کر سورت نہ ملائی تو اس نماز کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے، اگر دوبارہ نہ پڑھی تو گناہ گار ٹھہریں گے۔ کیونکہ فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں اور وتر و نفل و سنتوں خواہ مؤکدہ ہوں یا غیر مؤکدہ کی ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ کیساتھ سورت ملانا واجب ہے، اور واجب بھولے سے ترک ہو جائے تو سجدہ سہو واجب ہوتا ہے، سجدہ سہو کر لیا نماز درست ہو گئی۔ اور اگر سجدہ سہو نہ کیا یا جان بوجھ کر واجب ترک کیا تو نماز مکروہ تحریمی وواجب الاعادہ ہو جاتی ہے۔ یاد رہے! فقہی کتابوں میں نفل کا لفظ سنتوں پر بھی بولا جاتا ہے لہذا جو احکام نوافل کے ہوتے ہیں وہی سنتوں کے بھی ہوتے ہیں ہاں اگر کوئی حکم الگ سے سنتوں کے ساتھ خاص ہو تو اسے بیان کر دیا جاتا ہے۔

چنانچہ ردالمحتار میں ہے:

"وقد یطلق النفل علی ما یشمل السنن الرواتب، ومنہ قولھم باب الوتر والنوافل"

کبھی نفل کا لفظ سنتوں پر بھی بولا جاتا ہے، اسی سے فقہاء کرام رحمھم اللہ تعالی کا قول:

"باب الوتر والنوافل" بھی ہے۔

(حالانکہ اس باب میں فقہاء کرام نوافل ووتر کے علاوہ سنتوں کے احکام بھی بیان فرماتے ہیں)

(ردالمحتار، کتاب الطہارۃ، مطلب في السنۃ وتعریفیہا، جلد1، صفحہ 219، دار عالم الکتب: ریاض)

اور بہار شریعت میں ہے:

نفل عام ہے کہ سنت پر بھی اس کا اطلاق آیا ہے اور اس کے غیر کو بھی نفل کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام باب النوافل میں سنن کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ نفل ان کو بھی شامل ہے۔

(بہار شریعت، جلد1، حصہ4، باب سنن ونوافل کا بیان، صفحہ 663 مکتبۃ المدینہ: کراچی)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"وحکم السهو فی الفرض والنوافل سواء"۔

سجدہ سہو واجب ہونے میں فرض و نفل دونوں کا ایک حکم ہے۔

(یعنی فرض ونوافل (وسنن) میں بھولے سے واجب ترک ہونے سے سجدۂ سہو واجب ہے۔)

(الفتاوی الھندیۃ، کتاب الصلاۃ، الباب الثاني عشر في سجود السھو، جلد1، صفحہ 139، دار الکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

در مختار میں نماز کے واجبات میں فرمایا ہے:

"قراۃ الفاتحۃ الکتاب وضم سورۃ فی الاولین من الفرض وجمیع رکعات النفل والوتر"۔

ترجمہ: الحمد اور اس کے ساتھ سورت ملانا فرض کی دو پہلی رکعتوں میں اور نفل (وسنن) ووتر کی ہر رکعت میں واجب ہے۔

(در مختار، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، واجبات الصلاۃ، جلد2، صفحہ 150،149، دار عالم الکتب، ریاض)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"وان ترکھافی الاخریین لایجب ان کان فی الفرض وان کان فی النفل والوتر وجب علیه کذافی البحر الرائق، ولو قرا الفاتحۃ وحدھا وترک السورۃ یجب علیه سجود السھو"

یعنی اگر فرض کی آخری دو رکعت میں سورۃ الفاتحہ نہ پڑھے تو سجدہ سہو واجب نہیں ہاں اگر نفل (وسنن) ووتر میں ترک کیا تو سجدہ سہو واجب ہو گا، اسی طرح اگر سورۃ الفاتحہ پڑھی لیکن سورۃ نہ ملائی تو سجدہ سہو واجب ہو گا۔

(الفتاوی الھندیۃ، کتاب الصلاۃ، الباب الثاني عشر في سجود السھو، جلد1، صفحہ 139، دار الکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

صدر الشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فرض کی پہلی دو رکعتوں میں اور نفل و وتر کی کسی رکعت میں سورۂ الحمد کی ایک آیت بھی رہ گئی یا سورت سے پیشتر دوبار الحمد پڑھی یا سورت ملانا بھول گیا یا سورت کو فاتحہ پر مقدم کیا یا الحمد کے بعد ایک یا دو چھوٹی آیتیں پڑھ کر رکوع میں چلا گیا پھر یاد آیا اور لوٹا اور تین آیتیں پڑھ کر رکوع کیا تو ان سب صورتوں میں سجدۂ سہو واجب ہے۔

(بہار شریعت، سجدہ سہو کا بیان، جلد 1، حصہ 4، صفحہ 710، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

تنویر الابصار مع در مختار میں ہے:

"یجب بعدسلام واحدعن یمینه فقط سجدتان ویجب ایضاًتشهدوسلام بترک واجب سهوفلاسجودفی العمد۔اھ۔ملخصاً"۔

یعنی بھولے سے واجب ترک ہونے پر صرف سیدھی طرف سلام پھیر کر دو سجدے کرنا اور ان کے بعد دوبارہ تشہد پڑھنا اور سلام پھیرنا واجب ہے، لیکن اگر جان بوجھ کر واجب چھوڑا تو سجدہ سہو واجب نہیں۔

(در مختار، کتاب الصلاۃ، باب سجود السہو، جلد 2، صفحہ 540۔۔تا۔۔543، دار عالم الکتب: ریاض)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"ان ترک ساهیاًیجبربسجدتی السهووان ترک عامداًلاکذافی التاتارخانیة،انه لایجب السجودفی العمدوانماتجب الاعادة جبراًلنقصانه کذافی البحر الرائق"۔

یعنی اگر بھولے سے واجب ترک کیا تو سجدۂ سہو سے وہ کمی پوری ہو جائے گی اور اگر جان بوجھ کر واجب ترک کیا تو یہ کمی پوری نہ ہو گی۔ اسی طرح تاتارخانیہ میں ہے۔ کیونکہ جان بوجھ کر ترک واجب سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا بلکہ اس کمی کو پورا کرنے کیلئے اعادہ واجب ہے۔

(الفتاوی الھندیۃ، کتاب الصلاۃ، الباب الثاني عشر في سجود السھو، جلد 1، صفحہ 139، دار الکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

در مختار میں ہے:

"وتعادوجوباًفی العمدوالسهوان لم یسجدله،وان لم یعدهایکون فاسقاآثم،وکذاکل صلاة ادیت مع کراهة التحریم تجب اعادتها"۔

یعنی جان بوجھ کر واجب ترک کرنے یا سجدہ سہو واجب ہونے کے باوجود نہ کرنے کی صورت میں نماز کو لوٹانا واجب ہو گا، اگر نہ لوٹائی تو گناہ گار و فاسق ہو گا، اسی طرح ہر اس نماز کا حکم ہے جو کراہت تحریمی کیساتھ ادا کی جائے کہ اس کا لوٹانا واجب ہے۔

(در مختار، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، واجبات الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 150، 149، دار عالم الکتب، ریاض)

مجموعۃ قواعد الفقہ میں ہے:

"کُلُّ صَلاۃٍ اُدِّیَتْ مَعْ کَرَاھَۃِ التَّحْرِیْمِ تَجِبُ اِعَادَتُھَا"۔

ترجمہ: ہر وہ نماز جو کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے اس کا اعادہ واجب ہے۔

اس کے تحت فرمایا: سجدہ سہو نہیں کیا تو نماز مکروہ تحریمی ہوئی لہذا اس کا اعادہ واجب ہے۔

(مجموعۃ قواعد الفقہ، صفحہ 100)

بہار شریعت میں ہے:

اگر سہواً (یعنی بھولے سے) واجب ترک ہوا اور سجدہ سہو نہ کیا جب بھی (نماز کا) اعادہ واجب ہے۔

(بہار شریعت، کتاب الصلاۃ، سجدہ سہو کا بیان، جلد 2، حصہ 4، صفحہ 708، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

الجواب صحیح — واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم

أبو أطھر محمد أظھر العطاري المدني عفی عنہ الباري — کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

29 ربیع الاخری 1441ھ 15 دسمبر 2020

کیا اولیاء و صالحین کی بھی پیروی کی جائے گی؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ اولیاء و صالحین کو ماننے اور ان کی اتباع و پیروی کرنے پر قرآن و حدیث میں کوئی دلیل ہے؟ سائل: عبد اللہ (یوکے)

الجواب

اولیاء و صالحین کو ماننے اور ان کی اتباع و پیروی کرنے پر قرآن و حدیث میں بالکل واضح دلیل موجود ہے۔ اوّلاً یاد رہے کہ ولایت ایک قربِ خاص ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کو اپنے فضل و کرم سے عطا فرماتا ہے۔ اور جس کو ولایت کا اعلیٰ منصب نصیب ہو جائے، اس کے اعمال وافعال ہمارے لئے صراط مستقیم (سیدھے راستے) پر چلنے کا ایک بہترین ذریعہ بن جاتے ہیں کہ قرآن نے انبیاء و صدیقین و شہداء اور اولیاء و صلحاء کے راستے کو صراط مستقیم فرمایا اور انہیں اپنی بارگاہ سے انعام یافتہ ہونے کی خوشخبری سنائی۔ لہذا جو بھی شخص صراط مستقیم پر چلنے کا خواہش مند ہے اسے چاہئے کہ اللہ و رسول ﷺ کی اتباع و پیروی کیساتھ ساتھ صدیقین و شہداء اور اولیاء کرام کی پیروی کو بھی اپنے اوپر لازم کر لے۔

ان شاء اللہ العزیز روز قیامت اللہ کے فضل و کرم سے جنت ٹھکانہ ہو گا، اور اگر ان سے بغض و عداوت ہو گی تو روز قیامت ذلت و رسوائی مقدر ہو گی کہ اولیاء کرام سے بغض و عداوت رکھنے والے سے خود اللہ رب العزت اعلان جنگ فرما چکا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

یہ بھی یاد رہے کہ ہم پر صرف ان علماء ربانی اور صلحاء امت کی پیروی لازم ہے جو درست عقائد کیساتھ ساتھ پابند شریعت بھی ہیں، نہ کہ جاہل و جعلساز کہ جو ولایت و پیری کا لبادہ اوڑھے امت مسلمہ کو گمراہ کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رحمٰن والوں کی معرفت و پہچان اور ان کی اتباع کی توفیق نصیب فرمائے اور شیطان والوں کے مکر و فریب اور دھوکہ دہی و شر انگیزی سے محفوظ فرمائے۔ آمین

ہمارا رب تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ"۔

ترجمہ: یہ میرا سیدھا راستہ ہے اس کی پیروی کرو دوسرے راستوں کی پیروی نہ کرو۔ (پارہ 8، الانعام، 153)

اس آیت میں یہ نہ بتایا کہ سیدھا راستہ کون سا ہے ہم نے قرآن سے پوچھا تو اس نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

"اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ"

ترجمہ: ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ (پارہ 1، الفاتحہ، 5، 6)

قرآن میں جہاں سیدھا راستہ فرمایا گیا اس سے کن لوگوں کا راستہ مراد ہے تو اس کی وضاحت کرتے ہوئے ہمارا رب تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا"۔

ترجمہ: اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور یہ کتنے اچھے ساتھی ہیں۔ (پارہ 5، النساء، 69)

اس آیت کریمہ سے یہ بالکل واضح ہو گیا کہ صراط مستقیم سے مراد انبیاء و صدیقین و شہداء اور اولیاء و صالحین کا راستہ ہے، لہذا جو صراط مستقیم پر چلنا چاہے اسے چاہئے کہ ان ہستیوں کی اتباع و پیروی بھی اپنے اوپر لازم کر لے کیونکہ ان کی اتباع کے بغیر کوئی شخص ہر گز ہر گز صراط مستقیم پر نہیں چل سکتا۔

بلکہ علماء، اولیاء اور صالحین کی اطاعت عین اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اطاعت ہے۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ''

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم اولُوالاَمر ہیں۔

(پارہ5، النساء، 59)

حضرت عطار رَحْمَۃُاللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں:

"فی قوله تعالی((اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ))الآیة:قال:اولو العلم و الفقه,وطاعة الرسول:اتباع الكتاب و السنة"

ترجمہ: اس آیت میں رسول کی اطاعت سے مراد قرآن اور سنت کی پیروی ہے اور ''اُولِی الْاَمْرِ'' کی اطاعت سے علماء اور فقہاء کی اطاعت مراد ہے۔

(سنن دارمی، باب الاقتداء بالعلماء، صفحہ 145، الحدیث: 238، دارالبشائر الاسلامیہ: بیروت)

فرمان باری تعالیٰ ہے:

"وَ قَالَ الَّذِیْۤ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ"۔

ترجمہ: اور ایمان والے نے کہا: اے میری قوم! میرے پیچھے چلو میں تمہیں بھلائی کی راہ بتاؤں۔ (المؤمن:38)

تفسیر روح البیان میں ہے:

"وفيه اشارة الى ان لهداية مودعة فى اتباع الانبياء والاولياءوللولى ان يهدى سبيل الرشادبتبعية النبى صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كمايهدى النبى اليه"۔

یعنی ہدایت انبیاءِ کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اور اولیاءِ عظام رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِم کی پیروی میں رکھی گئی ہے اور جس طرح نبی عَلَیْہِ السَّلَام اپنے امتی کو ہدایت کا راستہ دکھاتے ہیں اسی طرح نبی عَلَیْہِ السَّلَام کے تابع رہتے ہوئے اولیاء و صالحین بھی ہدایت کا راستہ دکھاتے ہیں۔

(روح البیان، المؤمن، تحت الآیۃ: 38، جلد 8، صفحہ 185، داراحیاء التراث العربی: بیروت، لبنان)

ہر ذی شعور جانتا ہے کہ بروں کی پیروی بری ہے اور اچھوں کی پیروی اچھی جیسے ہم بزرگانِ دین، صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین، اولیاء و صالحین کی پیروی کرتے ہیں تو یہ بہت اچھی ہے کہ اس کا حکم خود قرآن نے دیا ہے چنانچہ فرمایا:

"وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ"

ترجمہ: اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ (پارہ10، التوبہ:119)

اور اولیاء کرام سے بغض و دشمنی رکھنے والے سے اللہ تعالیٰ نے اعلان جنگ فرمایا:

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ اللهَ تَعَالَى قَالَ: مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ"۔

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی تحقیق میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔

(صحیح البخاري"، کتاب الرقاق، باب التواضع، صفحہ 1617، حدیث: 6502، دار ابن کثیر، بیروت)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"حاشا نہ شریعت و طریقت دو راہیں ہیں نہ اولیاء کبھی غیر علماء ہو سکتے ہیں، علامہ مناوی "**شرح جامع صغیر**" پھر عارف باللہ سیدی عبد الغنی نابلسی "**حدیقہ ندیہ**" میں فرماتے ہیں:

امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"علم الباطن لا يعرفه إلاّ من عرف علم الظاهر"۔

یعنی علم باطن نہ جانے گا مگر وہ جو علم ظاہر جانتا ہے۔ [الحدیقہ الندیہ، النوع الثاني، جلد 1، صفحہ 165]

امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :

"وما اتخذ الله ولياً جاهلاً"۔

ترجمہ: اللہ نے کبھی کسی جاھل کو اپنا ولی نہ بنایا، یعنی بنانا چاہا تو پہلے اسے علم دے دیا اسکے بعد ولی کیا۔

(الفتوحات المکیۃ، جلد 3، صفحہ 92) (فتاوی رضویہ: جلد 21، صفحہ 530، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

الجواب صحيح **والله تعالى اعلم وعلمه جل مجده أتم وأحكم**

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري **کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ**

5 جمادی الاولیٰ 1441ھ 21 دسمبر 2020

بد عقیدہ شخص نے نکاح پڑھایا تو۔۔۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ کسی شخص کا نکاح قادیانی نے پڑھایا اور 6، 5 سال بعد اس کا علم ہوا، کیا شرعاً نکاح منعقد ہو گیا؟ اگر نہیں تو کیا نکاح دوبارہ ہو گا؟ اور حق مہر بھی دوبارہ دینا ہو گا؟

سائل: غلام عباس (گوجرانوالہ، پنجاب، پاکستان)

الجواب

اگر نکاح خواں معاذاللہ بدعقیدہ حتی کہ قادیانی ہو،اس سے نکاح پڑھواناہرگزجائز نہیں کہ اس میں اس کی تعظیم ہے اوراس کی تعظیم حرام،سخت حرام،اشد حرام ہے۔اوراگراس کابدعقیدہ ہونامعلوم نہ ہواور نکاح پڑھوایا گیاجیساکہ پوچھی گئی صورت میں بیان کیاگیاتوہرگزگناہ گار نہیں،اوراگر نکاح درست پڑھایاگیاتومنعقد ہوگیا،لہذادوبارہ نکاح کرنا شرعاًلازم نہیں،کیونکہ نکاح خواں صرف وکیل ہوتاہے اوروکالت کیلئے اسلام شرط نہیں۔نکاح خواں کامسائل نکاح کاعالم اورباعمل مسلمان ہونافقط مستحب ہے،شرط وغیرہ نہیں۔بہرحال ہم اپنے ہرمعاملے میں خوب جانچ پڑتال کرتے ہیں تونکاح جیسی عظیم سنت پر عمل کرنے سے پہلے بھی نکاح خواں کے عقائدوغیرہ کی معلومات حاصل کرلینی چاہئے تاکہ جانے انجانے میں کسی شرعی غلطی کاارتکاب نہ کربیٹھیں۔

امام اہلسنت **امام احمدرضاخان قادری** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

(اگروہ بدعقیدہ حدکفرتک نہ پہنچے ہوں)جب تونکاح میں ان کاشاہد(گواہ)ہونااصلاً مخل نہیں اوراگرحدکفرپرہوں تو وکالت جب بھی جائزہے کہ مرتدکووکیل کرسکتے ہیں اس کی وکالت صحیح ہوجائے گی اگرچہ اس سے میل جول اختلاط حرام ہے۔ (فتاوی رضویہ،کتاب النکاح،جلد11،صفحہ219،رضافاؤنڈیشن:لاہور)

ہندیہ میں ہے:

"تجوزوکالۃ المرتدبان کل مسلم مرتداوکذالوکان مسلماوقت التوکیل ثم ارتدفھوعلی وکالتہ الاان یلحق بدارالحرب فتبطل وکالتہ کذافی البدائع"۔

یعنی مسلمان نے مرتدکووکیل بنایا یامسلمان کووکیل بنایاوہ بعدمیں مرتدہوگیاتویہ وکالت باقی رہے گی،مگرجب وہ دارالحرب بھاگ جائے تووکالت ختم ہوجائے گی،بدائع میں ایسے ہی ہے۔

(فتاوی ہندیہ،کتاب الوکالۃ،جلد3،صفحہ518،دارالکتب العلمیہ:بیروت:لبنان)

امام اہلسنت علیہ الرحمۃ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"نکاح توہوہی جائے گااس واسطے کہ نکاح نام باہمی ایجاب وقبول(مثلاًایک کہے میں نے اپنے کوتیری زوجیت میں دیادوسراکہے میں نے قبول کیا)یہ نکاح کے رکن ہیں،پہلے جوکہے وہ ایجاب ہے اوراس کے جواب میں دوسرے کے الفاظ کوقبول کہتے ہیں)کاہے اگرچہ برہمن(پنڈت)پڑھادے،چونکہ اس سے پڑھوانے میں اس کی تعظیم ہوتی ہے جوحرام ہے،لہذااحتراز(بچنا)لازم ہے"۔ (الملفوظ،حصہ3،صفحہ346،مکتبۃ المدینہ:کراچی)

ایک جگہ فرماتے ہیں:

"نکاح پڑھوانا ایک تو بطور رسم ہوتا ہے جیسے نکاح خواں قاضی مقرر ہوتے ہیں یوں پڑھوایا اور اس نے حنفی مذہب کے طور پر صحیح پڑھایا تو تجدید نکاح کی حاجت نہیں۔ اور ایک نکاح پڑھوانا بطور تعظیم ہوتا ہے کہ اس کو معظم اور متبرک سمجھ کر اس سے پڑھواتے ہیں، اگر یوں پڑھوایا اور اس کا (بدعقیدہ ہونا) نہ جانتا تھا کہ (بدعقیدہ لوگوں) میں تقیہ (اپنا باطل عقیدہ ومذھب چھپانا) بکثرت ہے تو یوں بھی تجدید نکاح کی ضرورت نہیں جبکہ اس نے صحیح طور پر پڑھایا ہو، اور اگر (بدعقیدہ) جان کر اسے معظم ومتبرک سمجھا اور اس سے نکاح پڑھوایا تو نہ فقط تجدید نکاح بلکہ تجدید اسلام کی بھی حاجت ہے"۔ (فتاوی رضویہ: جلد 11، کتاب النکاح، صفحہ 282، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

در مختار میں ہے:

"ویندب اعلانہ وتقدیم خطبۃ وکونہ فی مسجد یوم جمعۃ بعاقد رشید"۔

یعنی نکاح اعلانیہ ہونا، خطبہ پہلے ہونا، مسجد میں ہونا، جمعہ کا دن ہونا اور نکاح کرنے والا صاحب رشد یعنی صاحب علم و عمل ہونا مستحب ہے۔ (در مختار ورد المحتار، کتاب النکاح، جلد 4، صفحہ 67،66، دار عالم الکتب: ریاض)

امام اہلسنت علیہ الرحمہ در مختار کی عبارت میں موجود الفاظ "**بعاقد رشید**" کے متعلق فرماتے ہیں:

"اقول: الرشد ینتظم العلم والعمل"۔

میں کہتا ہوں: رشد علم اور عمل دونوں کو شامل ہے۔

(فتاوی رضویہ، فتاوی رضویہ، کتاب النکاح، جلد 11، صفحہ 190، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

اور فرماتے ہیں:

"نکاح میں بہت احتیاط لازم، عقد کرنے والا دیندار، متقی، مسائل نکاح سے واقف ہو کہ جاہل سے نادانستہ وقوع مخل کا اندیشہ تھا، فاسق بددیانت پر اعتماد نہیں، جب وہ خود حلال وحرام کی پرواہ نہیں رکھتا تو اوروں کے لیے احتیاط کی کیا امید"۔ (فتاوی رضویہ، فتاوی رضویہ، کتاب النکاح، جلد 11، صفحہ 189، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

الجواب صحیح — **واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم**

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري — **کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ**

12 جمادی الاولیٰ 1441ھ 28 دسمبر 2020

مسجد کیلئے وقف شدہ زمین پر مدرسہ بنانا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ ایک جگہ مسجد کیلئے وقف کی گئی اور ابھی تک وہاں کوئی کام شروع نہیں ہوا، کیا وہاں مدرسہ بناسکتے ہیں؟ جبکہ واقف (جگہ وقف کرنے والے) کی طرف سے بھی اجازت ہے۔

سائل: سید علی حسین (گجرات، پاکستان)

الجواب

پوچھی گئی صورت میں مسجد کیلئے وقف شدہ جگہ پر اگرچہ کوئی کام نہیں ہوا، تب بھی وہاں مدرسہ بنانا جائز نہیں کہ یہ تغییر وقف (وقف کو بدلنا ہے)، اور تغییر وقف جائز نہیں بلکہ وقف کو تو اپنی حالت پر باقی رکھنا واجب ہے نہ یہ کہ اس میں تبدیلی کر دی جائے۔ اور جب واقف نے جگہ مسجد کیلئے وقف کی تو وہ واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں چلی گئی اور اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر دوسرے کو کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہیں کہ تصرف آدمی اپنی ملک میں کر سکتا ہے جبکہ وقف مالک حقیقی اللہ رب العزت کی خاص ملک ہے۔ اور واقف کا اب اجازت دینا بھی مفید نہیں کہ یہ ایسی وقف شدہ زمین کو دوبارہ وقف کرنا ہے جو اس واقف کی ملکیت میں ہے ہی نہیں، اور یہ بھی جائز نہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من بنی مسجدللہ تعالیٰ بنی اللہ لہ بیتاًفی الجنة"۔

یعنی جو اللہ تعالیٰ کے لیے مسجد بنائے گا، اللہ تعالیٰ اُسکے لیے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔

(صحیح بخاری: کتاب الصلاۃ، باب من بنی مسجدا، جلد 1، صفحہ 121، حدیث 450، دار ابن کثیر: بیروت)

(صحیح مسلم: کتاب المساجد، باب فضل بناء المساجد، جلد 1، صفحہ 241، حدیث 533، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

محمد بن عبد الرحمن قرشی سے راویت:

"حبس عثمان بن عفان و الزبیر بن العوام و طلحة بن عبید اللہ دورھم"۔

یعنی حضرت عثمان بن عفان و زبیر بن عوام و طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے مکانات وقف کیے تھے۔

(کنز العمال: کتاب الوقف، قسم الافعال، جلد 16، صفحہ 634، الحدیث: 46151، مؤسسۃ الرسالۃ: بیروت)

ابو معشر سے روایت:

"کان علی بن ابی طالب اشترط فی صدقتہ انھا لذی الدین و الفضل من اکابر ولدہ"۔

یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے وقف میں یہ شرط کی تھی، کہ اُنکی اکابر اولاد سے جو دین دار اور صاحبِ فضل ہو، اُسکو دیا جائے۔

(کنزالعمال: کتاب الوقف قسم الافعال، جلد16، صفحہ635، الحدیث:46152، مؤسسۃالرسالۃ: بیروت)

صدرالشریعہ **مفتی امجد علی اعظمی** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وقف ایک صدقہ جاریہ ہے کہ واقف ہمیشہ اس کا ثواب پاتا رہے گا اور سب میں بہتر وہ وقف ہے جس کی مسلمانوں کو زیادہ ضرورت ہو اور جس کا زیادہ نفع ہو مثلاً کتابیں خرید کر کتب خانہ بنایا اور وقف کر دیا کہ ہمیشہ دین کی باتیں اسکے ذریعہ سے معلوم ہوتی رہیں گی۔ اور اگر وہاں مسجد نہ ہو اور اسکی ضرورت ہو تو مسجد بنوانا بہت ثواب کا کام ہے اور تعلیم علم دین کے لیے مدرسہ کی ضرورت ہو تو مدرسہ قائم کر دینا اور اسکی بقاء کے لیے جائداد وقف کرنا کہ ہمیشہ مسلمان اس سے فیض پاتے رہیں نہایت اعلیٰ درجہ کا نیک کام ہے۔

(بہار شریعت: وقف کا بیان، جلد2، حصہ10، صفحہ524، مکتبۃالمدینہ: کراچی)

ہدایہ شریف میں وقف تعریف اس طرح ہے:

"الوقف ازالۃ الملک الی اللہ تعالیٰ علیٰ وجہ القربۃ"۔

حصول ثواب کیلئے چیز کو اپنی ملکیت سے خارج کر کے اللہ کی ملکیت میں کرنے کو وقف کہتے ہیں۔

(الھدایۃ: کتاب الوقف، جلد4، صفحہ407، المکتبۃالبشریٰ: کراچی)

اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"فھو فی الشرع حبس العین علی حکم ملک اللہ تعالیٰ علیٰ وجہ تعود منفعتہ الی العباد فیلزم ولا یباع ولا یوھب ولا یورث"۔

یعنی وقف کے یہ معنی ہیں کہ کسی شے کو اپنی ملک سے خارج کر کے خالص اللہ عزوجل کی ملک کر دینا اسطرح کہ اُسکا نفع بند گانِ خدا میں سے جس کو چاہے ملتا رہے۔ (لہٰذا وقف کو نہ باطل کر سکتا ہے) نہ اسکی بیع ہو سکتی ہے، نہ ہبہ ہو سکتا ہے، نہ اس میں میراث جاری ہو گی۔

(الفتاوی الھندیۃ: کتاب الوقف، الباب الاول فی تعریفہ ورکنہ وسببہ...اِلخ، جلد2، صفحہ357، دارالکتب العلمیہ: بیروت)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"واما حکمہ زوال العین عن ملکہ الی اللہ تعالیٰ"۔

یعنی وقف کا حکم یہ ہے کہ شے موقوف (وقف کی گئی چیز) واقف کی ملک سے خارج ہو جاتی ہے (مگر موقوف علیہ یعنی جس پر وقف کی گئی اُسکی مِلک میں داخل نہیں ہوتی) بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کی مِلک قرار پاتی ہے۔

(الفتاوی الھندیۃ: کتاب الوقف، الباب الاول فی تعریفۃ ورکنہ وسببہ...الخ، جلد2، صفحہ 358، دارالکتب العلمیہ: بیروت)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"منھا الملک وقت الوقف"۔

(یعنی وقف صحیح ہونے کیلئے) وقتِ وقف چیز کا ملکیت میں ہونا، شرط ہے۔

(فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف باب الاول فی تعریف۔۔ الخ، جلد2، صفحہ 359، دارالکتب العلمیہ: بیروت)

علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یزول ملکہ عن المسجد بالفعل و بقولہ جعلتہ مسجدا"۔

یعنی بانی کی ملک مسجد سے دو طرح زائل ہوتی ہے، ایک یہ کہ زبان سے کہہ دے میں نے اسے مسجد کیا، دوسرے یہ کہ یہ نہ کہے، اور اس میں نماز کی اجازت بلا تحدید دے (اور اس میں نماز مثل مسجد ایک بار بھی ہو جائے تو اس سے بھی مسجد ہو جائے گی۔ معلوم ہوا کہ لفظ مسجد کہنا شرط نہیں۔)

(در مختار: کتاب الوقف، جلد6، صفحہ 545،544، دار عالم الکتب: ریاض)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

خالی زمین نماز کے لئے وقف کی جائے وہ بھی مسجد ہو جائیگی، اگرچہ یہ نہ کہا ہو اسے مسجد کیا۔ (اور فرماتے ہیں:)

اقول: (میں کہتا ہوں) بلکہ اگر نماز کے لئے وقف کرے اور اس کے ساتھ صراحۃً مسجد ہونے کی نفی کر دے مثلاً کہے میں نے یہ زمین نماز مسلمین کے لئے وقف کی مگر میں اسے مسجد نہیں کرتا یا مگر کوئی اسے مسجد نہ سمجھے، جب بھی مسجد ہو جائے گی اور اس کا یہ انکار باطل کہ معنی مسجد یعنی نماز کے لئے موقوف پورے ہو گئے اور مذہب صحیح پر اتنا کہتے ہی مسجد ہو گئی اب انکار مسجدیت لغو ہے کہ معنی ثابت از لفظ سے انکار یا وقف مذکور سے رجوع ہے اور وقف بعد تمامی قابل رجوع نہیں، اس کی نظیر یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بی بی کی نسبت کہے میں نے اسے چھوڑا چھوڑا چھوڑا مگر میں طلاق نہیں دیتا کوئی اسے مطلقہ نہ سمجھے۔ طلاق تو دے چکا اب انکار سے کیا ہوتا ہے۔

(فتاوٰی رضویہ، جلد16، صفحہ 284،283، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

فتح القدیر و رد المحتار و شرح الاشباہ للعلامۃ البیری میں ہے:

"الواجب ابقاء الوقف علیٰ ما کان علیہ دون زیادۃ اخری"۔

یعنی وقف کو اپنی اصل حالت پر باقی رکھنا واجب ہے بغیر اس کے کہ اس پر کوئی دوسری زیادتی کی جائے۔

(فتح القدیر: کتاب الوقف، جلد 5، صفحہ 58، مطبوعہ: مصر)

عالمگیری میں ہے:

"لاتجوز تغییر الوقف عن ہیئتہ"۔

یعنی وقف جائداد کی ہیئت کو تبدیل کرنا جائز نہیں۔

(فتاوٰی ہندیۃ: کتاب الوقف، الباب الرابع فی المتفرقات، جلد 2، صفحہ 441، دار لکتب العلمیہ: بیروت)

عقود الدریہ میں ہے:

"لا یجوز للناظر تغیر صیغۃ الواقف کما افتی بہ الخیر الرملی و الحانوتی و غیرھما"۔

یعنی وقف کے نگہبان کے لیے واقف کے صیغے کی تبدیلی جائز نہیں، جیسا کہ خیر رملی اور حانوتی وغیر ہما نے فتوٰی دیا ہے۔

(العقود الدریۃ: لایجوز للناظر تغییر الوقف، جلد 1، صفحہ 115، قندھار، افغانستان)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"مسلمانوں کو تغییر وقف کا کوئی اختیار نہیں تصرف آدمی اپنی ملک میں کر سکتا ہے وقف مالک حقیقی جل وعلا کی ملک خاص ہے اس کے بے اذن دوسرے کو اس میں کسی تصرف کا اختیار نہیں۔

(فتاوی رضویہ، جلد 16، صفحہ 233، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"لو اتخذ مسجدا علی انہ بالخیار جاز الوقف و بطل الشرط۔۔۔و اذا جعل ارضہ مسجدو بناہ و اشھدان لہ ابطالہ و بیعہ فھو شرط باطل و یکون مسجداً"۔

یعنی اگر کسی نے اس طور پر مسجد کیلئے جگہ وقف کی کہ اسے خیار حاصل ہے تو وقف صحیح اور شرط باطل ہے۔۔۔اور جب کسی نے زمین یا عمارت کو اس شرط پر مسجد قرار دیا کہ جب چاہے وقف کو باطل کر سکتا یا جگہ کو بیچ سکتا ہے اور اس پر لوگوں کو گواہ بھی بنالیا، تب بھی شرط باطل اور وقف صحیح ہو گا اور وہ جگہ مسجد ہو جائے گی۔

(الفتاوی الھندیۃ: کتاب الوقف، الباب الاول فی تعریفۃ ورکنہ وسببہ...الخ، جلد 2، صفحہ 428،427، دارالکتب العلمیہ: بیروت)

امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

یہ زمین ایک بار ایک جہت کے لیے وقف ہو چکی ہے دوبارہ وقفیت کیونکر معقول کہ واقف کا وقتِ وقف مالکِ موقوف ہونا شرط وقف ہے ہمارے مذہب میں بالاتفاق اہل وقوف اس پر صحت وقف موقوف اور وقفِ بعد تمامی کسی کی ملک نہیں، تو پھر اصل واقف بھی اگر دوبارہ اسے وقف کرنا چاہے محض باطل ہوگا، نہ کہ زید و عمرو بلکہ حکم عام ہے، خواہ وقف دوبارہ جہت اُخریٰ پر ہو یا اسی جہتِ اولیٰ پر کہ علی الاول تحویل باطل ہے اور

علی الثانی تحصیل حاصل و الکل باطل۔۔۔لان الوقف لایوقف (کیونکہ وقف کا دوبارہ وقف جائز نہیں)"

(فتاوی رضویہ، جلد9، صفحہ 467، رضا فاؤنڈیشن:لاہور)

اور ایک جگہ فرماتے ہیں:

"مقبرے کے لیے وقف تسلیم کرکے اس میں مدرسہ وغیرہ دوسرے مکان وقفی بنانے کو درست بتانا ظلم واضح وجہل فاضح ہے کہ اس میں صراحۃً تغیر وقف ہے اور وہ حرام ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد9، صفحہ 466، رضا فاؤنڈیشن:لاہور)

اور فرماتے ہیں:"ایک وقف جس غرض کے لئے وقف کیا گیا ہے اسی پر رکھا جائے اس میں تو تغیر نہ ہو مگر ہیئت بدل دی جائے مثلاً دکان کو رباط کردیں یا رباط کو دکان، یہ (بھی) حرام ہے، نہ کہ سرے سے موقوف علیہ (ہی) بدل دیا جائے، (کہ) متعلق مسجد کو مدرسہ میں شامل کرلیا جائے یہ حرام ہے اور سخت حرام ہے"۔

(فتاوی رضویہ، جلد16، صفحہ 233،232، رضا فاؤنڈیشن:لاہور)

الجواب صحیح — **واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم**

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفي عنه الباري — **کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ**

12 جمادی الاولیٰ 1441ھ 28 دسمبر 2020

بارات جانے سے پہلے دولہا کا نفل پڑھنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ بارات کی روانگی سے قبل دولہا جو دو رکعت نفل پڑھتا ہے جسے سلامی کرنا کہتے ہیں ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر وہ نوافل نہ پڑھے جائیں تو کیا نکاح میں کچھ فرق آئے گا؟

سائل: محمد اسلم

الجواب

بارات کی روانگی سے پہلے دو رکعت نفل نماز جو دولہا پڑھتا ہے، نہ نکاح کی شرائط میں سے ہے اور نہ ہی مستحبات میں سے، البتہ چونکہ نکاح ایک عظیم سنت ہونے کیساتھ خوشی کا موقع بھی ہے، اور جب بھی کوئی خوشی حاصل ہو یا کوئی مصیبت وآزمائش ٹلے تو سجدہ شکر کرنا مستحب ہے، اور بعض علماء نے فرمایا کہ دو رکعت نفل نماز پڑھنا مستحب ہے، غالباً اسی وجہ سے عوام میں یہ دو رکعت نفل نماز بطور شکرانہ رائج ہے، بہر حال یہ نوافل بطور شکرانہ پڑھے جائیں تو بھی زیادہ سے مستحب ہیں جن کے چھوڑنے پر شرعاً نہ نکاح میں کچھ حرج ہے اور نہ ہی کوئی گناہ۔

علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ نکاح کے مستحبات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ویندب اعلانہ وتقدیم خطبۃ وکونہ فی مسجد یوم جمعۃ بعاقد رشید وشھود عدول"۔

یعنی نکاح اعلانیہ ہونا، خطبہ پہلے ہونا، مسجد میں ہونا، جمعہ کا دن ہونا اور نکاح کرنے والے کا صاحب علم و عمل ہونا اور عادل گواہوں کے سامنے ہونا مستحب ہے۔

(در مختار ورد المحتار، کتاب النکاح، جلد 4، صفحہ 66،67، دار عالم الکتب: ریاض)

صدر الشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** رحمۃ اللہ علیہ نکاح کے مستحبات بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"یہ مستحباتِ نکاح بیان ہوئے، اگر اِس کے خلاف نکاح ہو گا جب بھی ہو جائے گا"۔

(بہار شریعت: کتاب النکاح، جلد 2، حصہ 7، صفحہ 6، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

سنن ابی داؤد شریف میں ہے:

"عن ابی بکرۃ عن النبی ﷺ: انہ کان اذا جاءہ امر سرور او یسر بہ خرّ ساجداً شاکراً للہ تعالیٰ"۔

حضرت ابو بکرہ سے مروی، فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی خوشی کی خبر پہنچتی یا آپ خوش ہوتے تو اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے۔

(سنن ابی داؤد: باب فی سجود الشکر، جلد 2، صفحہ 404، حدیث 2774، دار الرسالۃ العالمیہ: بیروت)

ملا علی القاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ورد فی الحدیث: "ان النبی ﷺ لما اتی براس ابی جهل، خر ساجداً۔۔۔ وحین بشر بالفتح"۔

یعنی حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کے سامنے ابو جہل کا سر پیش کیا گیا اور آپ کو فتح مکہ کی خوشخبری سنائی گئی تو آپ سجدے میں گر گئے"۔

(مر قاۃ شرح مشکوۃ: کتاب الصلاۃ، باب فی سجود الشکر، جلد 3، صفحہ 544، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

خاتم المحققین **علامہ ابن عابدین شامی** علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"وفعلها ابو بکر و عمر و علی"۔

حضرت ابو بکر و عمر و علی علیھم الرضوان نے سجدہ شکر کیا ہے۔

(رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ، مطلب فی سجدۃ الشکر، جلد 2، صفحہ 598، 597، دار عالم الکتب: ریاض)

مفسر شہیر **مفتی احمد یار خان نعیمی** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"نبی اکرم ﷺ نے ابو جہل کے قتل، صدیق اکبر نے مسیلمہ کذاب کے قتل اور سیدنا علی المرتضٰی نے ذوالسنہ خارجی کے قتل کی خبریں سن کر سجدۂ شکر ادا کیے اور کعب ابن مالک قبول توبہ کی بشارت پر سجدہ میں گر گئے"۔

(مراۃ شرح مشکوۃ: جلد 2، صفحہ 380، قادری پبلشرز: لاہور)

محقق علی الاطلاق **شیخ عبد الحق محدث دہلوی** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"سجدة الشكر على حصول نعمة و اندفاع بلية"۔

یعنی کسی نعمت کے حصول یا مصیبت کے ٹل جانے پر (کیا جانے والا سجدہ) سجدہ شکر (کہلاتا) ہے۔

(لمعات شرح مشکوۃ: جلد 3، صفحہ 608، دار النور، بیروت)

مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"دینی یا دنیوی خوشی کی خبر سن کر سجدے میں گر جانا اسے سجدۂ شکر کہا جاتا ہے"۔

(مراۃ شرح مشکوۃ: جلد 2، صفحہ 380، قادری پبلشرز: لاہور)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"ان من تجددت عنده نعمة ظاهرة او رزقه الله تعالیٰ ولداً او مالاً او وجد ضالة او اندفعت عنه نقمة او شفی مریض له او قدم له غائب و نحو ذالک، یستحب له ان یسجد لله تعالیٰ شکراً"۔

یعنی سجدۂ شکر مثلاً اولاد پیدا ہوئی یا مال پایا یا گمی ہوئی چیز مل گئی یا مریض نے شفا پائی یا مُسافر واپس آیا غرض کسی نعمت پر سجدہ کرنا مستحب ہے۔

(الفتاوی الھندیۃ: کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، جلد 1، صفحہ 150، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وقیل شکراً تاماً، لانه تمامه بصلاة رکعتین کما فعل علیه الصلاة والسلام یوم الفتح"۔

یعنی یہ بھی کہا گیاہے کہ مکمل شکر دو رکعتیں نمازادا کرنا سے ہو گا جیسا کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فتح مکہ کے دن کیا۔

(ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ، مطلب فی سجدۃ الشکر، جلد2، صفحہ 598،597، دارعالم الکتب: ریاض)

ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فقالوا:المراد بالسجود الصلاۃ"۔

یعنی بعض علماء فرماتے ہیں کہ سجدہ شکر سے مراد نماز ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ: کتاب الصلاۃ، باب فی سجود الشکر، جلد3، صفحہ 544، دارالکتب العلمیہ: بیروت)

حکیم الامت **مفتی احمد یار خان نعیمی** علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"بعض علماء فرماتے ہیں کہ سجدۂ شکر کی احادیث میں سجدہ سے نماز مراد ہے، یعنی جزسے کل (مراد ہے)۔

(مراۃ شرح مشکوۃ: جلد2، صفحہ 380، قادری پبلشرز: لاہور)

الجواب صحیح — **واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم و أحکم**

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري — **کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ**

18 جمادی الاولیٰ 1441ھ 3 جنوری 2020

عورتوں کا مساجد میں جانا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ حضرت زینب نے فرمایا: رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ہمیں فرمایا:

"اذا شهدت احداکن المسجد فلا تمس طیباً۔رواہ مسلم"۔

جب تم میں سے کوئی مسجد میں جائے تو خوشبو نہ لگائے۔

(مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلوۃ، باب الجماعۃ وفضلھا، الفصل الاول، جلد1، صفحہ 97، حدیث نمبر 992، مطبوعہ لاہور)

اس حدیث پاک کے تحت کیا عورتوں کو بغیر خوشبو لگائے مساجد میں جانے کی شرعاً اجازت ہے؟ اگر نہیں تو کیوں؟ جواب مدلل ومفصل عطا فرمائیں۔

سائل: محمد اسلم

الجواب

ہر طرف فتنوں کا دور دورہ ہے اور عورتوں کی عزت کہیں بھی محفوظ نظر نہیں آتی اگرچہ عورت خود نیک وپارسا اور باپردہ ہی کیوں نہ ہو لیکن فاسق وفاجر وبدکردار لوگ عورتوں کی عزت وناموس پر ڈاکہ ڈالنے کیلئے ہر دم تیار نظر آتے ہیں اور عورتوں میں بھی طرح طرح کی خرافات نے جنم لیا جیسے بے پردگی وبے حیائی اور مردوں کیساتھ اختلاط وغیرہ، اسی وجہ سے زمانہ صحابہ وتابعین سے ہی عورتوں کو مساجد کی حاضری سے منع کردیا گیا۔ اس لئے خواتین کا نماز جمعہ، فرض نماز وتراویح وغیرہ کی ادائیگی کے لئے جماعت میں شریک ہونے کے واسطے مسجد میں حاضر ہونا مکروہ تحریمی وناجائز وگناہ ہے لہذا خواتین کو مسجد میں حاضر ہونے سے اجتناب کرنا چاہیئے اور نماز خواہ فرض ہو یا تراویح وغیرہ اپنے گھروں میں بلکہ گھروں کے اندرونی حصوں میں ادا کریں یہی ان کے لئے افضل اور بہتر ہے اسی میں تمام فتنوں اور دیگر گناہوں سے عافیت اور سلامتی ہے اور یہی سیدھا راستہ ہے۔

حاصل کلام یہ کہ عورتوں کا بالخصوص اس پر فتن دور میں نماز کے لئے (خواہ فرض ہو یا تراویح) مسجد میں جانا مکروہ وممنوع وناجائز ہے۔

جب نماز سے مقصود اجر وثواب ہی حاصل کرنا ہے اور اجر وثواب ان کے لئے گھر میں پڑھنے میں زیادہ ہے (جیسا کہ آگے آئے گا) تو پھر مسجد جانے کا جواز تلاش کرنا دین پر عمل کرنے کے بجائے شوق پورا کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کیونکہ دین سراسر اللہ اور اس کے رسول کی اتباع کا نام ہے۔

بعض لوگوں کے ذہن میں یہ استدلال ہوتا ہے کہ جب عورتیں بے پردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مارکیٹ اور بازار جاتی رہتی ہیں تو اگر وہ باپردہ مسجد میں باجماعت نماز کی ادائیگی کیلئے حاضر ہوں تو اس میں کیا حرج ہے؟

یہ استدلال ٹھیک نہیں کیونکہ جو عورتیں بازاروں میں بے پردہ پھرتی رہتی ہیں تو اسے کوئی بھی دیندار مسلمان جائز نہیں کہتا یہاں تک کہ وہ خود بھی اس کو جائز نہیں سمجھتیں (اگر ان میں عقل سلیم ہو) لیکن جب عبادت کی ادائیگی کے لئے مسجد میں جائیں گی تو ان کا یہ طرز عمل ان کے دلوں میں یہ احساس پیدا نہیں کرے گا کہ وہ ٹھیک نہیں کرتیں اور نہ ہی زندگی بھر اس غلطی کا احساس کریں گی اس طرح ایک طرف تو وہ گھر میں عبادت نہ کرکے زیادہ اجر وثواب سے محروم ہوں گی، دوسری طرف وہ گھر سے باہر نکل کر فتنہ کا دروازہ کھول کر گناہ گار ہوں گی اور ان تمام وعیدوں کی مستحق ہوں گی جو عورتوں کے گھر سے نکلنے پر وارد ہیں۔

اور بعض حضرات اس وسوسے کا شکار ہوتے ہیں کہ مساجد میں جاکر خواتین علماء اہلسنت کے بیانات سن کر اپنے عقیدے وعمل کا تحفظ کر سکتی ہیں لہذا انہیں جانے کی اجازت ہونی چاہئے!

تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ اب تو حصول علم کے ذرائع اس قدر وسیع ہو چکے ہیں کہ بند کمرے میں بیٹھے بھی علم حاصل کیا جا سکتا ہے جیسے کہ پرنٹ، الیکٹرانک اور سوشل میڈیا وغیرہ تو اتنے ذرائع عام ہونے کے باوجود اس باطل حیلہ سازی کی کیا حاجت؟ اللہ عقل سلیم عطا فرمائے۔ آمین! اب اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں خواتین مسجد نبوی میں جاکر نمازیں ادا کرتی تھیں تو اگرچہ آپ ﷺ کے مبارک زمانہ میں عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت تھی لیکن ساتھ ہی یہ ارشاد بھی تھا کہ ''بیوتھن خیر لھن ''یعنی ان کے گھر ان کے لئے مسجد سے بہتر ہیں۔

(مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلوۃ، باب الجماعۃ وفضلھا، الفصل الثانی، جلد 1، صفحہ 97، حدیث 994، مطبوعہ: لاہور)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

"قال ابن حجر: وصححه الحاكم على شرط الشيخين"۔

یعنی امام ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام حاکم نے مستدرک میں شیخین کی شرائط پر اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ: کتاب الصلوۃ، باب الجماعۃ وفضلھا، الفصل الثانی، جلد 3، صفحہ 135، دارالکتب العلمیہ: بیروت)

سنن ابن ماجہ میں ہے:

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اتنے میں قبیلہ مزینہ کی ایک عورت زیب وزینت کا لباس پہنے ہوئے اتراتی ہوئی مسجد میں آئی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"يا ايها الناس نسائكم عن لبس الزينة والتبختر فى المسجد فان بنى اسرائيل لم يلعنوا حتى لبس نسائهم الزينة وتبخترن فى المساجد"۔

ترجمہ: اے لوگو! اپنی عورتوں کو زیب وزینت کا لباس پہننے اور مسجد میں اترانے سے روک دو کیونکہ بنی اسرائیل پر اس وجہ سے لعنت کی گئی کہ ان کی عورتوں نے زیب وزینت کا لباس پہننا اور مسجد میں اترانا شروع کر دیا تھا۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب فتنۃ النساء، الجزء الثانی، صفحہ 1326، حدیث 4001، داراحیاء الکتب العربیہ: بیروت)

مشکوۃ المصابیح میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

"عن النبى ﷺ اذا شهدت احداكن المسجد فلا تمس طيبا"۔

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی عورت نماز کے لئے مسجد میں حاضر ہو تو خوشبو نہ لگائے۔

(مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلوۃ، باب الجماعۃ و فضلھا، الفصل الاول، جلد1، صفحہ 97، حدیث نمبر 992، مطبوعہ لاہور)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

"لانہ سبب لزیادۃ الفتنۃ"۔

یعنی کیونکہ عورت کا خوشبو لگا کر باہر نکلنا فتنے میں زیادتی کا سبب ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ: کتاب الصلوۃ، باب الجماعۃ و فضلھا، الفصل الاول، جلد3، صفحہ 134، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ **"لمعات شرح مشکوۃ" میں فرماتے ہیں:**

"وھو محمول علی عجوز غیر مشتھاۃ لم تخرج بطیب ولازینۃ، فی زماننا خروج النساء للجماعۃ مکروہ لفسادہ، وقیل: لان الغرض من حضورھن کان لیتعلمن الشرائع، ولا احتیاج الی ذلک فی زماننا لشیوعھا"۔

یعنی یہ حدیث بوڑھی عورتوں جن پر شہوت نہیں آتی پر محمول ہوگی جبکہ وہ بغیر خوشبو لگائے، زیب وزینت کئے نکلے، اور ہمارے زمانے میں فتنہ و فساد کی وجہ سے عورتوں کا جماعت کیلئے نکلنا مکروہ (تحریمی) ہے، اور بعض علماء نے فرمایا: (زمانہ نبوی میں) عورتوں کا مسجد میں حاضر ہونا شرعی احکامات سیکھنے کیلئے تھا (کیونکہ اس وقت بارگاہ اقدس کے علاوہ اس کا کوئی اور ذریعہ نہیں تھا) اور اب ہمارے زمانے میں حصول علم کے ذرائع کے عام ہونے کی وجہ سے اس کی کچھ حاجت نہیں۔ (لمعات شرح مشکوۃ: کتاب الصلوۃ، باب الجماعۃ و فضلھا، الفصل الاول، جلد3، صفحہ 203، دار النوادر، ریاض)

پھر آپ ﷺ کے زمانے میں اس بات کا بھی لحاظ رکھا جاتا تھا کہ نماز ختم ہونے کے بعد مردوں کے اٹھنے سے پہلے عورتیں اٹھ کر چلی جاتی تھیں اور اس کے لئے باقاعدہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ اپنی جگہوں پر بیٹھے رہتے تھے تاکہ ایک ساتھ اٹھنے کی وجہ سے مردوں اور عورتوں کا اختلاط نہ ہو چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے:

"ان النساء فی عھد رسول اللہ ﷺ کن اذا سلمن من المکتوبۃ قمن وثبت رسول اللہ ﷺ ومن صلی من الرجال ماشاء اللہ، فاذا قام رسول اللہ اقام الرجال"۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عورتیں جب فرض نماز سے سلام پھیر لیتیں تو کھڑی ہو جاتی تھیں (اور گھروں کی طرف چلی جاتیں) رسول اللہ ﷺ اور بقیہ نمازی (یعنی صحابہ کرام) بیٹھے رہتے پھر جب رسول اللہ ﷺ جانے کے لئے کھڑے ہوتے تو لوگ بھی کھڑے ہو جاتے۔

(صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب انتظار الناس۔۔۔الخ، جلد1، صفحہ 211، حدیث: 866، دار ابن کثیر: بیروت)

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"کان یسلم فینصرف النساءفیدخلن بیوتھن من قبل ان ینصرف رسول اللہ ﷺ"۔

نبی کریم ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد پلٹنے سے پہلے پہلے عورتیں گھروں میں داخل ہو جاتی تھیں۔

(صحیح بخاری: کتاب الاذان، باب مکث الامام فی مصلاہ بعد السلام، جلد 1، صفحہ 207، حدیث 850، دار ابن کثیر: بیروت)

اور سنن ابی داؤد میں انہی سے ہے:

"کان رسول اللہ ﷺ اذا سلم مکث قلیلا و کانو ایرون ان ذلک کیما ینفذ النساء قبل الرجال"۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیر لیتے تو تھوڑی دیر ٹھہرتے اور صحابہ کرام علیھم الرضوان سمجھتے تھے کہ یہ (ٹھہرنا) اس لئے تھا کہ عورتیں مردوں سے پہلے چلی جائیں۔

(سنن اَبی داوٗد، کتاب الصلوۃ، باب انصراف النساء قبل الرجال، جلد2، صفحہ 273، حدیث 1040، دار الرسالۃ العالمیہ: بیروت)

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عورتوں کی حالت میں تبدیلی ظاہر ہونے لگی اور آزادی اور بے احتیاطی عام ہونے لگی اور فتنہ کا اندیشہ ہوا تو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حکم جاری فرمایا کہ اب عورتیں مسجد میں نہ آیا کریں، چنانچہ

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ولا یباح للشواب منھن الخروج الی الجماعات بدلیل ماروی عن عمر رضی اللہ عنہ انہ نھی الشواب عن الخروج ولان خروجھن الی الجماعۃ سبب الفتنۃ والفتنۃ حرام وما ادی الی الحرام فھو حرام"۔

ترجمہ: جوان عورتوں کے لئے جماعتوں میں حاضر ہونا مباح نہیں اس روایت کے پیش نظر جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے جوان عورتوں کو جماعت کی نماز کے لئے گھر سے باہر نکلنے سے منع فرمایا تھا اور اس لئے بھی کہ نماز باجماعت کے لئے عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے اور فتنہ حرام ہے اور جو چیز حرام تک پہنچ جائے وہ بھی حرام ہے"۔

(بدائع الصنائع: کتاب الصلوۃ، فصل فی بیان من یصلح للامامۃ فی الجملۃ، جلد 1، صفحہ 388: دار احیاء التراث العربی: بیروت)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس حکم کو تمام صحابہ کرام علیھم الرضوان نے پسند کیا، البتہ بعض عورتوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس کی شکایت کی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی فیصلہ فاروقی سے اتفاق فرمایا چنانچہ

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارشاد ہے:

"لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ماحدث النساء لمنعھن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل"

یعنی اگر نبی صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے جو باتیں عورتوں نے اب پیدا کی ہیں تو ضرور انہیں مسجد سے منع فرمادیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں منع کر دی گئیں۔

(صحیح البخاری: کتاب الاذان، باب انتظار الناس۔۔۔ الخ، جلد 1، صفحہ 211، حدیث: 869، دار ابن کثیر: بیروت)

(صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب خروج النساء الی المساجد، جلد 1، صفحہ 206، حدیث 445، مطبوعہ: بیروت)

اس حدیث مبارکہ کے تحت امام نووی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"مااحدث النساء لمنعهن المسجد يعنى من الزينة و الطيب و حسن الثياب و نحوها"

یعنی زیب و زینت، خوشبوئیں لگانا اور اچھے اچھے کپڑے پہننا وغیرہ۔

(حاشیہ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب خروج النساء الی المساجد، جلد 1، صفحہ 371، بیت الافکار الدولیۃ: ریاض)

امام اکمل الدین بابرتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قد نهى عمر رضى الله تعالىٰ عنه النساء عن الخروج الى المساجد فشكون الى عائشة رضى الله تعالىٰ عنها فقالت لو علم النبى صلىٰ الله تعالىٰ عليه و سلم ما علم عمر ما اذن لكن فى الخروج"

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں کو مسجد جانے سے روک دیا، وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس شکایت لے کر گئیں، انہوں نے فرمایا: اگر نبی صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ دیکھتے جو حضرت عمر نے دیکھا تو وہ بھی تمہیں مسجد جانے کی اجازت نہ دیتے۔"

(عنایہ علی ھامش فتح القدیر، کتاب الصلوۃ، باب الامامۃ، جلد 1، صفحہ 259، مطبوعہ: مصر)

عمدۃ القاری میں ہے:

"و كان ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما يقوم يحصب النساء يوم الجمعة يخرجهن من المسجد"

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جمعہ کے دن کھڑے ہو کر کنکریاں مار کر عورتوں کو مسجد سے نکالتے۔

(عمدۃ القاری شرح بخاری، باب خروج النساء الی المساجد، جلد 6، صفحہ 157، بیروت)

ان تمام روایات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت مشروط تھی لیکن آپ کے زمانے کے بعد صحابہ کرام علیہم الرضوان نے خود ہی عورتوں کو مساجد میں آنے سے منع کرنا شروع کر دیا۔

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یہاں ایک نکتہ اور ہے جس سے عورتوں کی قسمیں بنانے، ان کے صلاح و فساد پر نظر کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں رہتے، او رقطعاً حکم سب کو عام ہو جاتا ہے اگر چہ کیسی صالحہ پارسا ہو۔ فتنہ وہی نہیں کہ عورت کے دل سے پیدا ہو وہ بھی ہے اور سخت

ترہے جس کا فساق سے عورت پر اندیشہ ہو۔ یہاں عورت کی صلاح کیا کام دے گی، حضرت سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی زوجہ مقدسہ صالحہ ،عابدہ ،زاہدہ، تقیہ، نقیہ حضرت عاتکہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو اسی عملی طور سے متنبہ کر کے حاضری مسجد کریم مدینہ طیبہ سے باز رکھا۔ ان پاک بی بی کو مسجد کریم سے عشق تھا، پہلے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نکاح میں آئیں، قبل نکاح امیر المومنین سے شرط کرالی کہ مجھے مسجد سے نہ روکیں، اس زمانہ خیر میں محض عورتوں کو ممانعت قطعی جزمی نہ تھی جس کے سبب بیبیوں سے حاضری مسجد۔۔ بھی منقول۔۔۔اسی پر غنیہ میں فرمایا کہ یہ اس وقت تھا جب حاضری مسجد انھیں جائز تھی اب حرام اور قطعی ممنوع ہے"۔

(غنیۃ المستملی شرح منیہ المصلی: کتاب الصلوۃ، فصل فی الجنائز، صفحہ 595، سہیل اکیڈمی لاہور)

غرض اس وجہ سے امیر المومنین نے ان کی شرط قبول فرمالی۔ پھر بھی چاہتے یہی تھے کہ مسجد نہ جائیں، یہ کہتیں آپ منع فرمادیں میں نہ جاؤں گی، امیر المومنین بہ پابندی شرط منع نہ فرماتے، امیر المومنین کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نکاح ہوا، منع فرماتے وہ نہ مانتیں، ایک روز انھوں نے یہ تدبیر کی کہ عشاء کے وقت اندھیری رات میں ان کے جانے سے پہلے راہ میں کسی دروازے میں چھپ رہے۔ جب یہ آئیں اس دروازے سے آگے بڑھی تھیں کہ انھوں نے نکل کر پیچھے سے ان کے سر مبارک پر ہاتھ مارا اور چھپ رہے حضرت عاتکہ نے کہا: "ان اللہ فسد الناس"۔ہم اللہ تعالٰی کے لیے ہیں لوگوں میں فساد آگیا۔ یہ فرما کر مکان کو واپس آئیں اور پھر جنازہ ہی نکلا۔ تو حضرت زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انھیں یہ تنبیہ فرمائی کہ عورت کیسی ہی صالحہ ہو اس کی طرف سے اندیشہ نہ سہی فاسق مردوں کی طرف سے اس پر خوف کا کیا علاج!

(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ترجمہ 11452، عاتکہ بنت زید الخ، جلد 8، صفحہ 228، دارالکتب العلمیہ: بیروت)

انہی تمام روایات اور آثار کو مد نظر رکھتے ہوئے فقہاء احناف نے فرمایا کہ عورتوں کیلئے اب یہ اجازت نہیں کہ وہ باجماعت نماز کی غرض سے مساجد میں حاضر ہوں بلکہ ان کا گھر میں نماز پڑھنا حضور کے زمانے میں تو افضل اور بہتر تھا لیکن اب ضروری ہو گیا ہے۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں حضرات فقہاء کرام رحمھم اللہ تعالٰی کے اقوال جن سے صاف صاف مسجد کی نماز باجماعت کی غرض سے خواہ وہ تراویح کی جماعت ہو خواتین کے لئے شرکت کے لئے حاضر ہونا ناجائز معلوم ہو رہا ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے:

"ویکرہ حضور ھن الجماعۃولو لجمعۃ وعید ووعظ مطلقاولو عجوزالیلا علی المذھب المفتی بہ لفساد الزمان"۔

ترجمہ:زمانہ کی خرابیوں کی وجہ سے عورتوں کا جماعت میں شریک ہونا مکروہ ہے چاہے جمعہ وعیدین کی نماز ہو یا مجلس وعظ ہو ،چاہے وہ عمر رسیدہ ہوں یا جوان ہوں رات ہو یا دن ہو مفتی بہ مذہب یہی ہے۔

(در مختار، کتاب الصلوۃ، باب الامامۃ ، جلد2، صفحہ 307، دار عالم الکتب: بیروت)

مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے:

"والزرکشی فی احکام المساجد:انہ حیث کان فی خروجھن اختلاط بالرجال فی المسجداو طریقہ او قویت خشیۃالفتنۃعلیھن لتنزینھن وتبرجھن حرم علیھن الخروج"۔

یعنی امام زرکشی نے احکام المساجد میں فرمایا کہ جہاں بھی عورتوں کے مسجد کی طرف آنے جانے یا راستے میں مردوں کیساتھ اختلاط ہو یا ان کے زیب وزینت اختیار کرنے اور فخریہ انداز میں اتراتے ہوئے چلنے کی وجہ سے فتنہ کا قوی اندیشہ ہو تو ان پر(گھر سے باہر)نکلنا حرام ہے۔(یعنی مسجد جانے کی اجازت نہیں)

(مرقاۃ شرح مشکوۃ: کتاب الصلوۃ، باب الجماعۃ وفضلھا، الفصل الاول، جلد3، صفحہ 134، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

اور فتاوی عالمگیری میں ہے:

"والفتوی الیوم علی الکراھۃ فی کل الصلوات لظھور الفساد کذافی الکافی وھو المختار کذافی التبیین"۔

ترجمہ:"اس زمانے میں فساد کے ظہور کی وجہ سے تمام نمازوں میں عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے اور اسی پر فتوی ہے"۔

(الفتاوی الھندیۃ، کتاب الصلوۃ، الفصل الخامس فی بیان مقام الإمام، جلد1، صفحہ 98، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

اسی قسم کا مضمون البحر الرائق میں بھی مذکور ہے، چنانچہ البحر الرائق میں ہے:

"ولا یحضرن الجماعات لقولہ تعالی ،وقرن فی بیوتکن ،وقال صلاتھا فی قعر بیتھا افضل من صلاتھا فی صحن دارھا وصلاتھا فی صحن دارھا افضل من صلاتھا فی مسجد ھا وبیوتھن خیرلھن ولانہ لایؤمن الفتنۃ من خروجھن اطلقہ فشمل الشابۃ والعجوز والصلاۃ النھاریۃ واللیلۃ قال المصنف فی الکافی والفتوی الیوم علی الکراھۃ فی الصلاۃ کلھا لظھور الفساد۔۔۔۔الخ"۔

ترجمہ:اور عورتیں نماز باجماعت کے لئے (مسجد میں)حاضر نہ ہوں اللہ کے قول :"وقرن فی بیوتکن"اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے فرمان:

"صلاتھا فی قعر بیتھا ،الی اخر الحدیث"

کی بناء پر اور چونکہ ان کے نکلنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے اس لئے یہ حکم فساد زمانہ کی بناء پر جوان اور عمر رسیدہ سب عورتوں کو شامل ہے اسی طرح چاہے دن کی نماز ہو یا رات کی نماز ہو، آج کے زمانہ میں فتوی کراہیت پر ہے (یعنی عورتوں کا نماز باجماعت کی نیت سے مسجد میں حاضر ہونا مکروہ تحریمی ہے۔)

(البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب الإمامۃ جلد 1، صفحہ 628،627، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

ہدایہ شریف میں ہے:

"ویکرہ حضور الجماعات۔۔۔لما فیہ من خوف الفتنہ"۔

یعنی عورتوں کا جماعت کیلئے مسجد میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔۔۔ کیونکہ اس میں فتنے کا اندیشہ ہے۔(یہاں فتنہ دونوں کو شامل ہے، خواہ عورت کی وجہ سے مرد پر فتنے کا خوف ہو یا عورت پر خوف ہو۔)

(الہدایۃ :کتاب الصلوۃ، باب الامامۃ، جلد 1، صفحہ 242، المکتبۃ البشری: کراچی)

اور آگے علت دوم کی تصریح فرمائی کہ:

"لہ ان فرط الشق حاصل فتقع الفتنۃ"۔

یعنی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ فاسقوں میں شہوت کی زیادتی انھیں بوڑھی عورت پر بھی برانگیختہ کرے گی اس طرح فتنہ واقع ہو گا۔

(الہدایۃ :کتاب الصلوۃ، باب الامامۃ، جلد 1، صفحہ 243، المکتبۃ البشری: کراچی)

محقق علی لاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا:

"بالنظر الی التعلیل المذکور منعت غیر المزنیۃ ایضا لغلبۃ الفساق دلیلا و ان کان النص یبیحہ لان الفساق فی زماننا اکثر انتشار رھم و تعرضھم باللیل و عمم المتاخرون المنع للعجائز و الشواب فی الصلوات کلھا لغلبۃ الفساد فی سائر الاوقات"۔

یعنی دلیل مذکور کے پیش نظر ایسی عورت کے لیے بھی ممانعت ہوئی جو خود بدکار نہیں، کیونکہ بدمعاشوں کا غلبہ ہے اور رات کو بھی ممانعت ہوئی اگرچہ امام اعظم کے نص سے اس کی اباحت ثابت ہے، وجہ یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں فاسقوں کا گھومنا پھرنا اور چھیڑ چھاڑ کرنا زیادہ تر رات ہی کو ہوتا ہے۔ اور متاخرین نے بوڑھی، جوان سب عورتوں کے لیے تمام نمازوں میں عام ممانعت کر دی اس لیے کہ سبھی اوقات میں فساد و خرابی کا غلبہ ہے۔

(فتح القدیر: کتاب الصلوۃ، باب الامامۃ، جلد 1، صفحہ 259، مطبوعہ: مصر)

اس مضمون کی عبارات جمع کی جائیں تو ایک کتاب ہو۔ عمدۃ القاری جلد سوم میں اپنی عبارت منقولہ سے سوا صفحہ پہلے دیکھیے :

"فیہ (ای فی الحدیث) انہ ینبغی (ای للزوج) ان یاذن لھا و لا یمنعھا ممافیہ منفعتھا و ذلک اذا لم یخف الفتنۃ علیھا و لا بھا و قد کان ھو الاغلب فی ذلک الزمان بخلاف زماننا ھذا فان الفساد فیہ فاش و المفسدون کثیرون و حدیث عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنھا الذی یاتی یدل علٰی ھذا"۔

اس حدیث میں یہ مضمون ہے کہ جس کام میں عورت کے لیے منفعت ہے اس کے لیے چاہئے کہ شوہر اسے نکلنے کی اجازت دے دے اور منع نہ کرے، اور یہ حکم اس صورت میں ہے جب عورت پر اور عورت کے سبب فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔ اور اس زمانے میں اکثر حالات اطمینان و بے خوفی ہی کے تھے، مگر اب ہمارے زمانے میں تو فساد اور برائی عام ہے اور مفسد بہت ہیں، ہم نے حالتِ امن کی جو قید ذکر کی اسکی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث ہے۔

(عمدۃ القاری شرح البخاری باب خروج النساء الی المساجد، جلد6، صفحہ 157، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ: بیروت)

امام اہلسنت علیہ الرحمۃ "جدالممتار" میں فرماتے ہیں:

"اقول قد علم ان الفتوی علی المنع مطلقا و لو عجوزا و لو لیلا"۔

اقول (میں کہتا ہوں) معلوم ہے کہ فتوٰی اس پر ہے کہ جماعتوں کی حاضری عورتوں کے لیے مطلقاً ممنوع ہے اگرچہ بوڑھی عورت ہو اور اگرچہ رات کو نکلے۔

(جدالممتار علی ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب صلاۃ الجنائز، مطلب فی زیارۃ القبور، جلد3، صفحہ 386، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

جن شرائط کی پابندی کیساتھ اس پاکیزہ دور میں اجازت تھی ان پر موجودہ دور کی خواتین کا عمل ہونا بہت ہی دشوار ہے، اگر کوئی ایک آدھ خاتون نیک نیتی سے ان پر عمل کر بھی لے تو اس ایک کی وجہ سے سب کو کھلی چھوٹ دے دینا یقینا فتنہ کو پھیلانے کے سوا کچھ نہیں۔ بالخصوص جبکہ بہت سی خواتین آج کل دینداری ظاہر کر کے بھی نفس کی پیروی کرنے میں پیچھے نہیں رہتیں۔ اب وہ شرائط بھی ملاحظہ فرمائیں چنانچہ امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"لاتمنع المسجد لکن بشروط ذکرھا العلماء ماخوذۃ من احادیث، وھو ان لاتکون متطیبۃ و لامتزینۃ و لاذات خلاخل یسمع صوتھا و لاثیاب فاخرۃ و لامختلطۃ بالرجال و لاشابۃ و نحوھا ممن یفتتن بھا، و ان لایکون فی الطریق ما یخاف بہ مفسدۃ و نحوھا"۔

یعنی جن شرائط کی پابندی کیساتھ عورتوں کو مساجد میں آنے کی اجازت اس پاکیزہ دور میں تھی علماء نے انہیں احادیث کی روشنی میں ذکر کیا ہے: عورت خوشبو لگا کر، زیب و زینت اختیار کر کے، پائیل (یعنی پازیب جو عورتیں پاؤں میں پہنتی ہیں

جس کی جھنکار) کی آواز سنی جائے، خوبصورت لباس (اور چمکیلے بھڑکیلے اور فیشنی برقعے) پہن کر، مردوں کیساتھ اختلاط کرتے ہوئے اوراس کے علاوہ ہر ایسا عمل جو انہیں یاان کی وجہ سے مردوں کو فتنے میں مبتلاء کرے، اورنہ ہی راستے میں اتراتے ہوئے چلیں جس سے مردوں کی نظریں ان پر جمیں اوراس جیسے تمام امور کیساتھ (عورتوں کو مسجد میں آنے کی ہرگز اجازت نہیں)

(حاشیۃ صحیح مسلم للنووی، کتاب الصلوۃ، باب خروج النساء، صفحہ 369، بیت الافکارالدولیۃ: ریاض)

امام اہلسنت **امام احمد رضاخان قادری** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جب ان خیر کے زمانوں اُن عظیم فیوض وبرکات کے وقتوں میں عورتیں منع کر دی گئیں، اور کاہے سے؟ حضورِ مساجد وشرکتِ جماعت سے، حالانکہ دین متین میں ان دونوں کی شدید تاکید ہے۔ تو کیاان ازمنہ شرور میں ان قلیل یاموہوم فیوض کے حیلے سے عورتوں کو اجازت دی جائے گی؟۔۔۔ یہ کس قدر شریعت مطہرہ سے منافقت ہے۔۔۔ بالخصوص اب کہ قطعاً فساد غالب اور صلاح نادر ہے۔

(فتاوی رضویہ، جلد9، صفحہ 548، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

والله تعالى اعلم وعلمه جل مجده أتم وأحكم

كتبه: ابو حمزه محمد آصف مدنی عفی عنه

18 جمادی الاولیٰ 1442ھ 3 جنوری 2021ء

الجواب صحيح

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفي عنه الباري

نمازِ وتر میں دعائے قنوت پڑھنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ اگر کوئی قضائے عمری ادا کرتے ہوئے وتروں میں "ربّ اغفرلی" کی جگہ "استغفر اللہ" پڑھ لے تو کیا اس کے وتر ہو جائیں گے؟ سائل: آصف خان (لاہور: پاکستان)

الجواب

پوچھی گئی صورت میں نمازوتر بغیر کراہت درست ہوگئی، کیونکہ اگرچہ نمازوتر میں دعائے قنوت کا پڑھنا واجب ہے لیکن اس میں کسی خاص دعا کا پڑھنا ضروری نہیں، ہاں بہتر وہ دعائیں ہیں جو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے ثابت ہیں اور اگر ان کے علاوہ کوئی اور دعا پڑھے جب بھی حرج نہیں۔ خواہ وہ دعا:

"رَبَّنَا آ اٰتِنَا فِی الدُّنْیا" یا "اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ" یا "اللھم اغفرلنا" یا "رب اغفرلی" یا "استغفار" وغیرہ ہو کہ یہ سب دعائے ماثورہ (یعنی قرآن وحدیث میں وارد شدہ دعائیں) ہیں۔لہذا ان میں سے کوئی بھی دعا پڑھ لی قنوت کا واجب ادا ہو گیا۔اور نماز بلا کراہت درست ہو گئی۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"القنوت واجب علی الصحیح۔۔۔ولیس فی القنوت دعاءمؤقت،والاولیٰ ان یقراء" اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ۔۔۔ولم یحسن القنوت یقول:"رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ"۔۔۔اویقول:"اللھم اغفرلناویکرر ذلک ثلاثا"۔

یعنی دعائے قنوت کا پڑھنا واجب ہے اور اس میں کسی خاص دعا کا پڑھنا ضروری نہیں، بہتر" اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ" پڑھنا ہے جو دعائے قنوت نہ پڑھ سکے یہ پڑھے:

" رَبَّنَا آ اٰتِنَا فِی الدُّنْیا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ" کہے یا تین بار "اللھم اغفرلنا" پڑھے۔

(الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب الثامن فی صلاۃ الوتر، جلد 1، صفحہ 123، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

صدرالشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"دعائے قنوت کا پڑھنا واجب ہے اور اس میں کسی خاص دعا کا پڑھنا ضروری نہیں، بہتر وہ دعائیں ہیں جو نبی ﷺ سے ثابت ہیں اور ان کے علاوہ کوئی اور دعا پڑھے جب بھی حرج نہیں۔سب میں زیادہ مشہور دُعا یہ ہے:" اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ"۔ (بہار شریعت: کتاب الصلاۃ، باب الوتر، جلد 1، حصہ 4، صفحہ 654، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

امام اہلسنت **امام احمد رضاخان قادری** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"(جس کے ذمہ زیادہ قضاء نمازیں باقی ہوں اس کیلئے ایک تخفیف یہ ہے کہ) وتروں کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت کی جگہ اللہ اکبر کہہ کر فقط ایک یا تین بار "رب اغفرلی" کہے۔

(فتاوی رضویہ، کتاب الصلاۃ، باب قضاء الفوائت، جلد 8، صفحہ 158، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

الجواب صحیح — **واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم**

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري — **کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ**

18 جمادی الاولیٰ 1441ھ 3 جنوری 2021

قبر کے سوالات کن سے نہیں ہوں گے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ قبر میں کتنے سوالات ہوں گے؟ کیا یہ سوالات انبیاء کرام علیھم السلام اور غیر انبیاء، مسلم و کافر سب سے ہوں گے؟ اور کیا قبر میں سوالات کے حوالے سے حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خصوصیت میں کوئی خاص روایت موجود ہے جس میں آپ کو سوالات سے مستثنیٰ کیا گیا ہو؟ جیسے کہ ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قبر میں منکر نکیر سوالات کریں گے تو الٹا آپ ان سے سوال کریں گے کہ میرا رب اللہ ہے، تمہارا رب کون ہے؟ میرا دین اسلام ہے، تمہارا دین کیا ہے؟ میرے نبی محمد ﷺ ہیں، تمہارے نبی کون ہیں؟ کیا کسی مستند کتاب میں مستند سند سے ایسا واقعہ ہے؟ اور کیا اسے بیان کر سکتے ہیں؟

سائل: عبد اللہ

الجواب

قبر میں منکر نکیر کا آنا اور مردے سے سوالات کرنا کثیر احادیث سے ثابت ہے جو کہ معناً تواتر کے درجے تک پہنچتی ہیں، لہذا اس کا منکر گمراہ و بد دین ہے۔ اور قبر میں تین سوالات ہوں گے جو کہ مومن و کافر سب سے ہوں گے، اور مردہ اگر قبر میں دفن نہ کیا جائے تو جہاں پڑا رہ گیا یا پھینک دیا گیا، غرض کہیں ہو اُس سے وہیں سوالات ہوں گے اور وہیں ثواب یا عذاب اُسے پہنچے گا، یہاں تک کہ جسے شیر کھا گیا تو شیر کے پیٹ میں سوال و ثواب و عذاب جو کچھ ہو پہنچے گا۔ البتہ بعض ہستیاں ایسی بھی ہیں جن سے قبر کے سوالات نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے سوالات قبر سے محفوظ رکھا ہے۔

جن لوگوں سے قبر میں سوالات نہیں ہوں گے:

1- شہید ہونے والا مسلمان۔

2- مرض طاعون سے فوت ہونے والا مسلمان۔

3- طاعون کے زمانہ میں اُنکے علاوہ کسی مرض سے فوت ہونے والا جب کے وہ اس پر صابر اور ثواب کی اُمید رکھنے والا ہو۔

4- صدیق کے درجہ پر فائز۔

5- جمعۃ المبارک کے دن یا رات یا رمضان المبارک میں فوت ہونے والا مسلمان۔

6- ہر رات سورۃ ملک پڑھنے والا مسلمان، بعض علماء نے اس کے ساتھ سورۃ السجدہ کو بھی ملایا ہے۔

7- اپنے مرض میں جو شخص " قُل ھو اللہ احد "کا ورد رکھے اور اسی طرح فوت ہو جائے تو اس سے بھی سوال نہیں ہو گا۔

8- اور بعض شارحین نے فرمایا ہے کے ان میں انبیاء اضافہ کیا جائے اس لیے کہ وہ صدیق ہیں صدیق سے درجے میں بڑے ہیں اُن سے بھی سوال نہیں ہو گا۔

9- مسلمانوں کے وہ بچے جو نابالغی میں ہی انتقال کر گئے۔

10- اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اسلامی سرحد پر پہرا دینے والا مسلمان مجاہد سے بھی سوالات قبر نہیں ہوں گے۔

خلیفہ ثانی، مُرادِ رسول، امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بالیقین منکر و نکیر کے سوالات سے محفوظ ہیں کیونکہ آپ رسول کریم ﷺ کے جلیل القدر صحابی، سسر رسول، خلیفہ راشد، اس امت کے محدث، عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور 1400 سال سے زائد عرصہ ہو چکا نبی کریم ﷺ کے ساتھ آرام فرما ہونے کیساتھ ساتھ شہید بھی ہیں اور ہم اوپر پڑھ چکے ہیں کہ شہید سے سوالات قبر نہیں ہوں گے۔

رہا سوال میں بیان کردہ واقعہ تو اس کے دو حصے ہیں:

اول حصہ جس میں منکر نکیر کی صفات اور قبر کے سوالات کا تذکرہ ہے، یہ حصہ روایات سے ثابت ہے اور اسے بیان بھی کرنے میں کچھ حرج نہیں، البتہ دوسرا حصہ جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرشتوں سے سوال کرنا مذکور ہے، یہ حصہ کسی بھی معتبر سند سے منقول نہیں، لہٰذا اس کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کر کے اس کو بیان کرنا درست نہیں۔ اب اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

عقائد نسفی میں ہے:

"وسوال منکر ونکیر ثابت بالدلائل السمعیة"۔

یعنی منکر و نکیر کے سوالات دلائل نقلیہ سے ثابت ہیں۔

(شرح عقائد نسفی: صفحہ 239،238، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

صحیح بخاری و سنن ابو داؤد و جامع ترمذی میں ہے: (الفاظ ترمذی کے ہیں):

"عن البراءبن عازب،رفعه فی قوله:"یثبت اللہ الذین آمنوابالقول الثابت۔۔۔الخ"۔(سورۃ ابراھیم:آیت27)قال:فی القبراذاقیل لہ:من ربک؟ومادینک؟ومن نبیک؟وقال ھذاحدیث حسن صحیح"۔

ترجمہ:ترمذی نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان عالیشان:"جو ایمان لائے وہ اپنے قول پر ثابت قدم رہے" کے بارے میں مرفوعاً روایت کیا کہ یہ آیت سوالات قبر کے میں وارد ہوئی جب سوال کیاجائے گا: تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیاہے؟ اور تیرے نبی کون ہیں؟ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(صحیح بخاری: کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر، جلد1، صفحہ 331، حدیث:1369، دارابن کثیر: بیروت)

(جامع ترمذی: کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ ابراہیم، جلد5، صفحہ 196، حدیث:3130، دارالغرب الاسلامی)

(سنن ابوداؤد: کتاب السنۃ: باب فی مسئلۃ القبر وعذاب القبر، جلد7، صفحہ 131، حدیث:3753، دارالرسالۃ العالمیۃ)

امام جلالُ الدّین سیوطی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں:

"قدتواترت الاحادیث بذلک مؤکدۃ من روایۃ انس،والبراء،وتمیم الداری،وبشیربن کمال،وثوبان،وجابربن عبداللہ،وعبداللہ بن رواحۃ،وعبادۃ بن صامت،وحذیفۃ،وضمرۃ بن حبیب،وابن عباس،وابن عمر،وابن مسعود،عثمان بن عفان،وعمربن خطاب،وعمروبن عاص،ومعاذبن جبل،وابی امامۃ،وابی الدرداء،وابی رافع،وابی سعیدالخدری،وابی قتادۃ،وابی ھریرۃ،وابی موسیٰ،واسماء،وعائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین"۔

ترجمہ: اس سلسلے میں احادیث تاکیدی اور مُتَواتِر ہیں جن میں سے حضرت سیدنا انس بن مالک، براء بن عازب، تمیم داری، بشیر بن کمال، ثوبان، جابر بن عبد اللہ، عبد اللہ بن رواحہ، عبادہ بن صامت، حذیفہ بن یمان، ضمرہ بن حبیب، عبد اللہ ابن عباس، عبد اللہ ابن عمر، عبد اللہ ابن مسعود، امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان، امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب، عمرو بن عاص، معاذ بن جبل، ابو امامہ باہلی، ابو درداء، ابو رافع، ابو سعید خدری، ابو قتادہ، ابو ہریرہ، ابو موسی اشعری، اسماء اور ام المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھم اجمعین سے روایات ہیں۔

(النبراس علی شرح العقائد: صفحہ 320،321، مطبوعہ: کوئٹہ)

(شرح الصدور للسیوطی: صفحہ 117، دارالمدنی: عرب)

نبراس میں ہے:

"بالجملۃالاحادیث فی ھذالمعنی) فی حال القبرو(فی کثیرمن احوال الآخرۃ متواترۃالمعنی) کالبعث والحساب والصراط والحوض والشفاعۃ(وان لم یبلغ احادھا)ای لم یبلغ افرادھامن حیث

الفاظها(حدالتواتر)وبيانه ان تواترالخبراماالفظي وهوان يكون لفظ منقولابعينه كالقرآن المنقول بلفظه المتفق عليه بين الرواة واما معنوی وهوان الفاظ القبر مختلفة وكل لفظ منهامرويامن الاحادبلاتواترلكن يكون المعنى المشترک بين الفاظه مرويابالتواتر كجودحاتم والتواتر المعنى ايضاحجة كاللفظی فان المخبرين اخبرونابوجودبغداوبالفاظ مختلفة افادالیقین معناهاالمشترک"۔

یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ احوال قبر (سوالات قبر وغیرہ اور) بعث، حساب، صراط، حوض اور شفاعت وغیرہ کے بارے میں احادیث معناً متواتر ہیں اگرچہ لفظاً حد تواتر تک نہ پہنچیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ خبر یا تو لفظاً متواتر ہوتی ہے یعنی اس کے الفاظ بعینہ منقول ہوتے ہیں جیسے کہ الفاظِ قرآن ہیں جن پر تمام راوی متفق ہیں، یا معناً متواتر ہوتی ہے یعنی سب راویوں کے الفاظ تو مختلف ہوتے ہیں لیکن معنی و مراد سب کی ایک ہی ہوتی ہے جیسے کہ حاتم طائی کی سخاوت کے متعلق ہم تک روایات پہنچیں (اگرچہ سب کے الفاظ مختلف ہوں لیکن مراد سب کی حاتم طائی کی سخاوت کو بیان کرنا ہے) اور معناً متواتر چیز بھی اسی طرح حجت و دلیل کا درجہ رکھتی جیسے لفظاً متواتر چیز، جیسے کہ بہت سارے لوگوں نے ہمیں کل کے دن کی خبر دی اگرچہ سب کے الفاظ مختلف ہوں لیکن پھر بھی سب کی یہ خبر ہمیں یقین کا فائدہ دے گی کیونکہ معنی سب کے ایک ہی ہیں۔

(النبراس علی شرح العقائد: صفحہ 320، مطبوعہ: کوئٹہ)

شرح الصاوی میں ہے:

"ممایجب اعتقاده سوال منكرونكيرلنافهومختص هذه الامة اى امة الدعوة المؤمنين والمنافقين والكافرين"۔

یعنی منکر نکیر کے سوالات کا عقیدہ رکھنا واجب ہے اور یہ سوالات مومن و منافق و کافر سب سے ہوں گے۔

(شرح الصاوی علی جوہرۃ التوحید، ص369، 370، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

اتحاف المرید میں ہے: "سوال منكرونكيراياناامعاشرامة الدعوة المؤمنين والمنافقين والكافرين"۔

یعنی منکر نکیر کے سوالات سب سے ہوں گے خواہ مومن ہو یا منافق یا کافر۔

(اتحاف المرید، صفحہ 141، مطبوعہ: مصر)

صدر الشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مردہ اگر قبر میں دفن نہ کیا جائے تو جہاں پڑا رہ گیا یا پھینک دیا گیا، غرض کہیں ہو اُس سے وہیں سوالات ہوں گے اور وہیں ثواب یا عذاب اُسے پہنچے گا، یہاں تک کہ جسے شیر کھا گیا تو شیر کے پیٹ میں سوال و ثواب و عذاب جو کچھ ہو پہنچے گا"۔

(بہار شریعت: جلد 1، حصہ 1، برزخ کا بیان، صفحہ 109، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

شرح الصاوی میں ہے:

"و امامنکر و نکیر فلایکفر منکر هما، لانه اختلف فی اصل سوال القبر"۔

یعنی منکر و نکیر کے منکر کو کافر نہیں کہا جائے گا کیونکہ اصلاً سوالاتِ قبر میں اختلاف ہے۔

(شرح الصاوی علی جوھرۃ التوحید: صفحہ 132، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

حاشیہ شرح الصاوی میں ہے:

"سوال القبر و عذابه مختلف فيه، لذالک لم يكن من العقيدة التي يكفر جاحدها، اذ لا يكفر الا من انكر ما علم من الدين بالضرورة، و علمه العامة و الخاصة على حد سواء كالصلاة و الصوم و تحريم الخمر و غيره۔

یعنی سوالات و عذاب قبر مختلف فیہ ہے، اسی وجہ سے یہ ان عقائد میں سے نہیں ہے جس کا انکار کفر ہو، کیونکہ کفر صرف ضروریات دین کے انکار سے لازم آتا ہے، اور وہ ایسے امور ہیں جن کا ہر خاص وعام کو علم ہو جیسے نماز، روزہ کا فرض اور شراب کا حرام ہونا وغیرہ۔ (لیکن سوالاتِ قبر کا منکر گمراہ و بدعتی ضرور ہو گا کہ اس پر متواتر احادیث موجود ہیں جیسا کہ پیچھے بیان ہوا۔)

(حاشیہ شرح الصاوی علی جوھرۃ التوحید: صفحہ 369، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة وقي فتنة القبر"۔

یعنی جس مسلمان کا انتقال جمعۃ المبارک کے دن یا رات میں ہوا، فتنہ قبر (یعنی عذاب قبر و سوالات وغیرہ) سے محفوظ رہے گا۔

(المسند: لِلإمام أحمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن عمرو بن عاص، الحدیث: 6646، جلد 11، صفحہ 226، موسسۃ الرسالۃ: بیروت)

انہی سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ما من مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلاّ وقاه الله فتنة القبر"۔

یعنی جمعۃ المبارک کے دن اور رات میں انتقال کرنے والے کو اللہ تعالیٰ قبر کے فتنے سے محفوظ رکھے گا۔

(سنن الترمذي، کتاب الجنائز، باب ما جاء فیمن مات یوم الجمعۃ، الحدیث: 1074، جلد 2، صفحہ 372، دار الغرب الاسلامی)

(المسند: لِلإمام أحمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن عمرو بن عاص، الحدیث: 6582، جلد 11، صفحہ 147، مؤسسۃ الرسالۃ: بیروت)

معجم کبیر للطبرانی میں حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"سمعت رسول الله ﷺ يقول: رباط يوم في سبيل الله كصيام شهر وقيامه، ومن مات مرابطاً جرى عليه عمله الذي كان يعمل وامن الفتان ويبعث يوم القيامة شهيدا"۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں ایک دن نگہبانی کرنا ایک ماہ کے روزے رکھنے اور قیام کرنے (کے ثواب) کے برابر ہے، اور جس کو نگہبانی کرتے ہوئے موت آجائے اس (کے) عمل (کا ثواب) جاری رہے جو وہ کرتا تھا، اس کو قبر کے سوالات عذاب سے محفوظ رکھا جائے گا، اور قیامت کے دن شہداء میں اٹھایا جائے گا۔

(معجم کبیر للطبرانی: جلد 4، صفحہ 504، حدیث 6056، مطبوعہ: لاہور)

خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"من لایسال ثمانیة: الشهید، والمرابط، والمطعون، والمیت زمن الطاعون بغیره اذاکان صابرا محتسبا، والصدیق، والاطفال، والمیت یوم الجمعة ولیلتها، والقاری کل لیلة تبارک الملک، وبعضهم ضم الیها السجدة، والقاری فی مرض موته: "قل هو الله الاحد" ۔اھ۔ واشار الشارح الی انه یزاد الانبیاء علیهم الصلاة والسلام، لانهم اولیٰ من الصدیقین۔

ترجمہ: جن سے سوالات قبر نہ ہوں گے وہ 8 قسم کے لوگ ہیں: شہید، راہ خدا میں گھوڑا باندھنے والا، طاعون سے مرنے والا، طاعون کے زمانے میں اس کے علاوہ کسی اور مرض سے مرنے والا جبکہ اپنی بیماری پر صبر کیا ہو، صدیقین، مسلمانوں کے نابالغ بچے، جمعۃ المبارک کے دن یا رات میں انتقال کرنے والا، سورۃ الملک یا سورۃ السجدۃ کی روزانہ رات تلاوت کرنے والا، مرض موت میں سورہ اخلاص پڑھنے والا، اور شارح نے اشارہ فرمایا کہ ان میں انبیاء کرام علیہم السلام کا اضافہ بھی ہو گا کیونکہ وہ صدیقین سے اعلیٰ ہیں۔

(فتاوی شامی: کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ، جلد 3، صفحہ 82، 81، دار عالم الکتب: بیروت)

اور شرح الصاوی میں ہے:

"السوال مخصوص بمن کان مکلفاًولوجناً لاملکاً، ویستثنی من المکلفین الانبیاء والصدیقون والمرابطون والشهداء، وملازم قراۃ تبارک الملک کل لیلة اوسورۃ السجدۃ، ومریض البطن، ومن مات لیلة الجمعة اویومها، والمطعون، ومن قرا الاخلاص فی مرضه الذی مات فیه، ونحو ذلک مما ورد فی السنة استثناؤه"۔

یعنی سوالاتِ قبر تمام مکلفین سے ہوں گے سوائے فرشتوں کے، اور مکلفین میں انبیاء کرام، صدیقین، اسلامی سرحد کی حفاظت کیلئے سرحد پر گھوڑا باندھنے والے، شہداء کرام، روزہ رات کو سورۃ الملک یا سورۃ السجدۃ کی تلاوت کا التزام کرنے والے، پیٹ کے در میں مرنے والا، جمعۃ المبارک کے دن یا رات میں مرنے والا، طاعون سے مرنے والا، جو سورہ اخلاص یعنی قل ھو اللہ احد شریف کا اپنے اس مرض میں جس میں اس کا انتقال ہوا، ورد رکھے، اسی طرح وہ تمام لوگ بھی سوالاتِ قبر سے مستثنیٰ ہیں جن کے بارے میں احادیث وارد ہوئیں۔

(شرح الصاوی علی جوھرۃ التوحید، صفحہ 371، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

علامہ فضل الرسول بدایونی علیہ الرحمۃ "المعتقد المنتقد" میں فرماتے ہیں:

"والأصح أنّ الأنبياء لا يسألون، وقد ورد أنّ بعض صالحي الأمة كالشهيد والمرابط يوما وليلة في سبيل الله يأمن فتنة القبر، فالأنبياء عليهم السلام أولى بذلك وكذا في اطفال المؤمنين"۔

یعنی صحیح مذہب یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے سوالات نہیں ہوں گے، اور حدیث میں آیا ہے کہ بعض نیکوکاران امت جیسے شہید اور اسلامی ملک کی سرحد پر ایک دن، ایک رات فی سبیل اللہ گھوڑا باندھنے والا سوال قبر سے بری ہے، تو انبیاء کرام علیہم السلام اس کے زیادہ مستحق ہیں (کہ ان سے سوالات قبر نہ ہوں) اسی طرح مومنین کے نابالغ بچوں سے بھی سوالات قبر نہ ہوں گے۔ (المعتقد المنتقد، صفحہ 184، برکاتی پبلشرز: کراچی)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** علیہ الرحمۃ اس کے حاشیہ بنام ''المعتمد المستند'' میں فرماتے ہیں:

"والميت يوم الجمعة أو ليلتها أو في رمضان وغيرهم ممّن وردت لهم الأحاديث"۔

یعنی یہ حدیث سے ثابت ہے کہ جو مسلمان شبِ جمعہ یا روزِ جمعہ یا رمضانِ مبارک کے کسی دن رات میں مرے گا، سوالِ نکیرین و عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔ (المعتمد المستند: صفحہ 184، برکاتی پبلشرز: کراچی)

اور فتاوی رضویہ میں فرماتے ہیں: شب جمعہ اور رمضان مبارک میں ہر روز کے واسطے یہ حکم ہے کہ جو مسلمان ان میں مرے گا سوال نکیرینِ و عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔

(فتاوی رضویہ، کتاب الجنائز، جلد 9، صفحہ 661، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

امام فقیہ ابن عجیل نے اسی دعائے عہد نامہ کی نسبت فرمایا:

"اذا کتب هذا الدعاء وجعل مع الميت فی قبره وقاه الله فتنة القبر وعذابه"۔

جب یہ لکھ کر میّت کے ساتھ قبر میں رکھ دیں تو اللہ تعالٰی اُسے سوالِ نکیرین و عذابِ قبر سے امان دے۔

(فتاوٰی کبرٰی بحوالہ ابن عجیل: باب الجنائز، جلد 2، صفحہ 6 دار الکتب العلمیہ: بیروت)

(فتاوی رضویہ: کتاب الجنائز، جلد 9، صفحہ 110، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

نیز اس میں ہے:

"وقال النسفی فی بحر الکلام اطفال المؤمنین لیس علیهم عذاب القبر ولا سوال منکر ونکیر"۔

ترجمہ: امام نسفی نے بحر الکلام میں فرمایا: مومنین کے بچوں پر نہ عذاب قبر ہو گا اور نہ ہی ان سے منکر نکیر سوالات کریں گے۔

(النبراس علی شرح العقائد: صفحہ 316، مطبوعہ: کوئٹہ)

منکر نکیر کا قبر میں آنا صحیح احادیث سے ثابت ہے اور آپ علیہ الصلوۃ والسلام کا حضرت عمر کو قبر کے فرشتوں کے بارے میں آگاہ کرنا بھی روایات سے ثابت ہے۔

چنانچہ امام ابن أبي داود "البعث والنشور" میں ابوجمیلۃ مفضل ابن صالح سے روایت کرتے ہیں:

عن مفضل بن صالح عن إسماعيل بن أبي خالد عن أبي شهر (وفي رواية عن أبي سهل، وفي أخرى: عن أبي شهم) عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال: قال لي رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: كيف أنت إذا كنت في أربعة أذرع في ذراعين، ورأيت منكرا ونكيرا؟ قال: قلت: يارسول الله! وما منكر ونكير؟ قال: فتاتا القبر، يبحثان الأرض بأنيابهما، ويطآن في أشعارهما، أصواتهم كالرعد القاصف، وأبصارهما كالبرق الخاطف، معهما مرزبة لو اجتمع عليها أهل منى، لم يطيقوا رفعها، هي أيسر عليهما من عصاتي هذه. قال: قلت: يارسول الله! وأنا على حالي هذه؟ قال: "نعم" قلت: إذن أكفيكهما".

ترجمہ: حضرتِ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے عمر! تمہارا اس وقت کیا حال ہو گا جب تم چار ہاتھ لمبی اور دو ہاتھ چوڑی زمین (یعنی قبر) میں ہوگے اور تم منکر نکیر کو دیکھو گے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! منکر نکیر کون ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: یہ قبر میں امتحان لینے والے (دو فرشتے) ہیں جو قبر کو اپنے دانتوں سے کریدیں گے اور ان کے بال اتنے لمبے ہوں گے کہ وہ اپنے بالوں کو روندتے ہوئے آئیں گے۔ ان کی آواز زوردار گرج کی طرح ہوگی اور ان کی آنکھیں اُچکنے والی بجلی کی طرح چمک رہی ہوں گی۔ ان دونوں کے پاس اتنا بڑا ہتھوڑا ہو گا کہ سارے منیٰ والے مل کر اسے نہ اٹھا سکیں۔ حضور ﷺ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جسے آپ ﷺ ہلا رہے تھے، آپ ﷺ نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: لیکن ان دونوں کے لئے اسے اٹھانا میری اس چھڑی سے زیادہ آسان ہو گا۔ وہ دونوں تمہارا امتحان لیں گے، اگر تم جواب نہ دے سکے یا تم لڑکھڑا گئے تو پھر وہ تمہیں وہ ہتھوڑا اس زور سے ماریں گے کہ تم راکھ ہو جاؤ گے۔ میں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! میں اپنی اسی حالت میں ہونگا؟ (یعنی اس وقت میرے ہوش وحواس ٹھیک ہوں گے) حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں. میں نے کہا: پھر میں ان دونوں سے نمٹ لونگا۔

(البعث والنشور لابن ابی داؤد: صفحہ 21، مکتبۃ التراث الاسلامی: قاہرہ)

(اتحاف الخیرۃ المھرہ، کتاب الجنائز، السوال فی القبر وماجاء، جلد2، صفحہ 492، حدیث 1955، دارالوطن للنشر: ریاض)

اس کے تحت شیخ الحوینی المدنی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"وهوحديث منكربهذاالتمام والمفضل ابن صالح،قال البخاری وابوحاتم:"منکرالحدیث"۔وقال الترمذی:لیس عنداهل الحديث بذالک الحفاظ"۔وشیخه لم اعرفه ان کان هوابوسهل،وان کان هوابوشمر،فقدقال الذهبی:"فيه جهالة"۔ويقال ابوشهم،والحديث اخرجه البيهقيفى الاعتقاد:صفحه323، 322،من طريق مفضل بن صالح عن اسمعيل بن ابی خالد،عن ابی سهل،عنه ابی عن عمر،فذكره۔

ثم قال غريب بهذاالاسناد،تفرد به المفضل هذا۔وقدرويناه من وجه آخرعن ابن عباس ومن وجه آخر صحيح عن عطاءبن يسار،عن النبی ﷺمرسلافی قصة عمر،وقال:ثلاثة اذرع فی عرض ذراع وشبر،ولم يذكرالمرزبة"۔

قلت:وطريق عطاءرواه الآجری فی "الشريعة"(صفحه366)وابن ابی الدنيافی القبورمن طريق ابراهيم بن سعدعن ابيه عن عطاءبن يسارقال،قال:رسول الله ﷺلعمررضی الله عنه:ياعمر! کيف انت؟قال العراقی فی المغنی(جلد4،صفحه503)"رجاله ثقات"۔ووصله ابن بطة:فی"الابانة"من حديث ابن عباس:فالصحيح فی هذالحديث هوطريق عطاءمع ارساله،اماحديث الباب فمنكركماذكره الذهبی فی "الميزان"(جلد4،صفحه537)

اوراس کے متعلق حافظ زین الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے "المغنی عن الاسفار" میں فرمایا کہ اتنا تو حضرت عطاء بن یسار تابعی سے مرسلاً صحیح سند سے ثابت ہے اور موصولاً ضعیف سند کیساتھ۔

" أخرجه ابن أبي الدنيا في كتاب القبور هكذا مرسلًا، ورجاله ثقات، قال البيهقي في الاعتقاد: رويناه من وجه صحيح عن عطاء بن يسار مرسلًا،قلت: ووصله ابن بطة في الإبانة من حديث ابن عباس،ورواه البيهقي في الاعتقادمن حديث عمر، وقال: غريب بهذا. الإسناد، تفرد به مفضل، ولأحمد، وابن حبان من حديث عبدالله بن عمرو"۔ (المغنی عن الاسفار: صفحہ:1236، الرقم:4464، المکتبۃ الطبریۃ:: الریاض)

ان دونوں عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت تین صحابہ سے مرفوع اور دوسندوں سے مرسل منقول ہے:

1۔**پہلی سند:** یہ روایت حضرت عمر سے منقول ہے، اس سند میں مفضل بن صالح الاسدی منکر الحدیث ہے، اور ابو شہر مجہول راوی ہے.

2۔**دوسری سند:** یہ روایت ابن عباس سے منقول ہے، اس سند میں واقدی ہے جو متروک راوی ہے.

3۔**تیسری سند:** یہ روایت حضرت جابر سے منقول ہے، اس میں اسماعیل بن مسلم المکی کثیر الغلط راوی ہے.

4۔**چوتھی سند:** یہ عطاء بن یسار سے مرسل منقول ہے.

5۔**پانچویں سند:** یہ عمرو بن دینار سے مرسل ہے.

خلاصہ تحقیق: اس قدر روایت مختلف اسناد سے وارد ہے جو اگرچہ ضعیف ہیں لیکن قابل بیان ہیں۔

حضرت عمر کا منکر نکیر سے سوال کرنا:

روایت کا اگلا حصہ:

علامہ محب الدین الطبری نے اپنی کتاب "الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ" میں عبد الواحد المقدسی سے نقل کیا ہے:

"فقال عمر بن الخطاب: أيأتيانني وأنا ثابت كما أنا؟ قال: "نعم" قال: فسأكفيكهما ,يا رسول الله, فقال ﷺ: "والذي بعثني بالحق نبيًا, لقد أخبرني جبريل أنهما يأتيانك, فتقول أنت: الله ربي, فمن ربكما؟ ومحمد نبيي, فمن نبيكما؟ والإسلام ديني, فما دينكما؟ فيقولان: وا عجباه!! ما ندري نحن أرسلنا إليك, أم أنت أرسلت إلينا؟"۔

ترجمہ: (سرکارِ دوعالم ﷺ سے نکیرین کے بارے میں سن کر) حضرت سیّدُنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: "یارسول اللہ ﷺ! جب وہ میرے پاس آئیں گے تو کیا میں اسی طرح صحیح سَالِم رہوں گا جیسے اب ہوں؟" فرمایا: "ہاں۔" عرض کیا: "یارسول اللہ ﷺ! پھر تو میں انہیں آپ ﷺ کی طرف سے خُوب جواب دوں گا۔" سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اے عمر! اس رب تعالیٰ کی قسم جس نے مجھے حق دے کر بھیجا! مجھے جبریل امین نے بتایا ہے کہ وہ دونوں فرشتے جب تمہاری قبر میں آئیں گے اور سوالات کریں گے تو تم یوں جواب دو گے کہ میرا رب اللہ ہے مگر تمہارا رب کون ہے؟ میرا دین اسلام ہے مگر تمہارا دین کیا ہے؟ میرے نبی تو محمد ﷺ ہیں مگر تمہارا نبی کون ہے؟ وہ کہیں گے: بڑی تعجب کی بات ہے، ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں یا تم ہماری طرف بھیجے گئے ہو؟

(الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ المبشرۃ: جلد 1، صفحہ 346: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

اس روایت کی اسنادی حیثیت:

روایت کا یہ حصہ (جس میں حضرت عمر فرشتوں سے سوال کریں گے) کسی بھی معتبر سند سے منقول نہیں، البتہ علامہ محب الدین الطبری نے اپنی کتاب "الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ" میں عبد الواحد المقدسی سے اسکو نقل کیا ہے جبکہ المقدسی نے خود اپنی کتاب میں اس قصے کا صرف اول حصہ نقل کیا ہے لیکن بقیہ حصہ وہاں بھی موجود نہیں۔

چنانچہ دوسرے جزء یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکیرین سے سوال کرنے کے متعلق "الریاض النضرۃ" کی تخریج کرنیوالے محقق "**عبد المجيد طعمة حلبي**" فرماتے ہیں: حضرت عمر فاروق کا نکیرین سے سوال کے متعلق حصہ روایت کا جزء نہیں ھے یہ بلاسند "**علامہ محب الدین الطبری**" نے ذکر کر دیا ہے۔

اخرجه عبد الواحد بن محمد بن علي المقدسي في كتابه التبصير، خرج الحافظ أبو عبد الله القاسم الثقفی عن جابر من اولی ذکر السوال وقال: فقال عمر: یارسول الله ﷺ اية حال انا یومئذ؟ قال: علی حالک، قال اذا اکفیکهما، ولم یذکر ما بعده. وخرج سعيد بن منصور معناه، ولفظه: حدثنا إسماعيل بن إبراهيم، أنا محمد بن علوان بن علقمة، قال: حدثني أصحابنا، قالوا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعمر: "کیف بک إذا جاءک منکر ونکير يسألانک؟ صوتهما مثل الرعد القاصم، وأبصارهما مثل البرق الخاطف, يطئان في أشعارهما، ويبحثان بأنيابهما"، فقال: يارسول الله, أنبعث على ما متنا عليه؟ قال: "نعم, إن شاء الله تعالى" قال: إذاً أكفيكهما"۔

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ محب الدین الطبری علیہ الرحمہ نے علامہ عبد الواحد المقدسی سے اس روایت کو نقل کیا اور ابو عبد اللہ قسم ثقفی نے بھی اسے نقل کیا لیکن ان دونوں حضرات نے اس روایت کا صرف پہلا حصہ نقل کیا، دوسرا حصہ (جس میں حضرت عمر نے منکر نکیر سے سوالات کئے) نقل نہیں کیا۔(یعنی اس حصے کے نقل کرنے میں علامہ محب الدین طبری منفرد ہیں اور پھر انہوں نے اسے بلاسند روایت کیا ہے۔لہذا اسے بیان کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔)

(الریاض النضرۃ: المحقق: عبد المجید طعمۃ حلبی، جلد2، صفحہ 298، 297، الرقم: 749، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان)

الجواب صحیح	و الله تعالى اعلم و علمه جل مجده أتم و أحكم
أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري	کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ
	27 جمادی الاخری 1442ھ 10 فروری 2021

ناک اور کان کی بالی میں بوقتِ غسل پانی بہانا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ عورت نے ناک اور کان میں بالیاں وغیرہ ڈالی ہوں تو فرض غسل کے وقت ان کے سوراخوں میں پانی بہانا ضروری ہے؟ سائل: مولانا محمد آفتاب الازہری (Uk)

الجواب

عورتوں کا ناک اور کان میں زیورات پہننے کیلئے چھید (سوراخ) کروانا جائز ہے۔اور عورتوں کا غسل و وضو لازم ہونے کی صورت میں اگر ناک اور کان کے زیورات کا سوراخ تنگ نہ ہو اور حرکت دے کر پانی بہانا ممکن ہو تو پانی بہانا فرض ہے کہ بغیر پانی بہائے غسل ہو گا ہی نہیں۔اور اگر سوراخ بند ہو چکا کہ اب حرکت دینا ممکن نہیں تو ضروری نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

:"وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا "ؕ۔

اگر تم جنب ہو تو خوب پاک ہو جاؤ یعنی غسل کرو۔ (پارہ 6، المائدۃ،6)

اور فرماتا ہے:

"حَتّٰى يَطْهُرْنَ"۔

یہاں تک کہ وہ حَیض والی عورتیں اچھی طرح پاک ہو جائیں۔ (پارہ 2، البقرۃ،222)

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں:

"ان تحت کل شعرۃ جنابۃ فاغسلوا الشعر وانقوا البشر"۔

یعنی ہر بال کے نیچے جنابت ہے تو بال دھوؤ اور جلد کو صاف کرو۔

(سنن أبي داود، کتاب الطھارۃ، باب في الغسل من الجنابۃ، الحدیث:248، جلد1، صفحہ 180، دارالرسالۃ: بیروت)

رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں:

"من ترک موضع شعرۃ من جنابۃ لم یغسلھا فعل بہ کذا و کذا من النار"۔

یعنی جو شخص غُسلِ جنابت میں ایک بال کی جگہ بے دھوئے چھوڑ دے گا اس کے ساتھ آگ سے ایسا ایسا کیا جائے گا۔(یعنی عذاب دیا جائے گا) (سُنَنُ اَبِی دَاوٗد، جلد1 صفحہ 181 حدیث 249، دارالرسالۃ: بیروت)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

عورتوں کو نتھ یا بلاق (ایک زیور جو کہ ناک میں پہنتے ہیں) کے لئے ناک چھیدنا جائز ہے جس طرح بالوں، بالیوں، کان کے گہنوں کے لئے کان چھیدنا۔۔۔ میں کہتا ہوں اس میں کچھ شک نہیں کہ کان چھیدنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں متعارف اور مشہور تھا اور حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر اطلاع پائی مگر ممانعت نہیں فرمائی۔

(فتاوی رضویہ، باب الحظر والاباحت، جلد23، صفحہ 483، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

اور فرماتے ہیں: "انگوٹھی، چھلّے وغیرہا جائز، ناجائز ہر قسم کے گہنے (زیورات) مرد، عورت سب کے لئے جب کہ تنگ ہوں کہ بے اُتارے اُن کے نیچے پانی نہ بہے گا اُتار کر دھونا فرض ہے ورنہ ہلا ہلا کر پانی ڈالنا کہ ان کے نیچے بَہہ جائے مُطلقاً ضرور ہے۔ (فتاوی رضویہ، کتاب الطھارۃ، جلد1، حصہ 1، صفحہ 285، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

اور فرماتے ہیں "کانوں میں بالی پتّے وغیرہ زیوروں کے سوراخ کا غسل میں وہی حکم ہے جو ناک میں بلاق وغیرہ کے چھید کا غسل ووضو دونوں میں تھا"۔ (فتاوی رضویہ، کتاب الطہارۃ، جلد 1، حصہ 2، صفحہ 603، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

اور فرمایا: ناک کا سوراخ اگر کوئی گہنا یا تنکا ہو تو اسے پھرا پھرا کر ورنہ یونہی دھار ڈالے، ہاں اگر بالکل بند ہو گیا تو حاجت نہیں۔ (المرجع السابق: صفحہ 599)

صدرالشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ناک کا سوراخ، کانوں میں بالی وغیرہ زیوروں کے سوراخ کا وہی حکم ہے جو ناک میں نَتھ کے سوراخ کا حکم وُضو میں بیان ہوا۔

(بہار شریعت: کتاب الوضو، جلد 1، حصہ 2، صفحہ 317، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

اور فرمایا: نَتھ کا سوراخ اگر بند نہ ہو تو اس میں پانی بہانا فرض ہے اگر تنگ ہو تو پانی ڈالنے میں نتھ کو حرکت دے ورنہ ضروری نہیں۔ (المرجع السابق: صفحہ 289)

الجواب صحیح | **واللہ تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ أتم و أحکم**

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري | **کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ**

10 جمادی الاخری 1441ھ 24 جنوری 2021

فوت شدہ کا عقیقہ کرنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ کیا فوت شدہ کا عقیقہ کر سکتے ہیں؟

سائل: عبد اللہ

الجواب

فوت شدہ کی طرف سے عقیقہ نہیں کر سکتے، اگرچہ وہ بالغ ہونے سے پہلے فوت ہوا یا اس کے بعد، کیونکہ عقیقہ بچے کی پیدائش پر بطور شکرانہ ثابت ہے، اور جب وہ فوت ہو گیا تو شکر کا موقع ہی نہ رہا۔ اور جو بچہ سات دن سے پہلے فوت ہو گیا اور اس کا عقیقہ نہ کیا تب بھی اس کے والدین روز قیامت اس کی شفاعت کے مستحق ہوں گے، جبکہ وہ ایمان کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے ہوں، اور اگر بچہ سات دن سے زائد گزار کر فوت ہوا اور استطاعت ہونے کے باوجود اس کا عقیقہ نہ کیا تو والدین اس کی شفاعت کے مستحق نہ ہوں گے۔ البتہ فوت شدہ کی طرف سے بطور ایصال ثواب قربانی کر سکتے ہیں۔ لہذا عقیقہ کے بجائے فوت شدگان کی طرف سے قربانی کی جائے۔

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

مردہ کی طرف سے قربانی بلا شبہ جائز ہے اور عقیقہ شکر نعمت ہے بعد زوال نعمت اس کا محل نہیں، ولہذا اموات بلکہ ان کی طرف سے جواب تک پیدا نہ ہوئے قربانی ثابت ہے۔ اور عقیقہ بعد موت کہیں ثابت نہیں، جو بچہ سات دن سے پہلے مر گیا عقیقہ نہ کرنے سے جو الزام آتا کہ وہ شفیع ہوگا، یہاں نہ ہوگا کہ شرع نے جو اس کا وقت مقرر فرمایا اس سے پہلے اس کا انتقال ہو گیا، اور سات دن بعد مرا اور استطاعت تھی تو اس کی شفاعت کا استحقاق نہیں۔

(فتاوی رضویہ: کتاب العقیقہ، جلد20، صفحہ592، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

اور فرماتے ہیں: مُردے کا عقیقہ نہیں کہ وہ شکر ولادت ہے بخلاف قربانی کہ ایصال ثواب ہے۔ سات دن سے پہلے مر گیا تو ابھی عقیقہ کا وقت ہی نہ آیا تھا اور بعد کو مرا تو عقیقہ کیا، اس بچے کی شفاعت کا مستحق نہ ہوگا، اگر بلا وجہ باوصف استطاعت نہ کیا۔ (المرجع السابق: صفحہ593)

اور ایک جگہ فرمایا: جو مر جائے کسی عمر کا ہو اس کا عقیقہ نہیں ہو سکتا، بچہ اگر ساتویں دن سے پہلے ہی مر گیا تو اس کے عقیقہ نہ کرنے سے کوئی اثر اس کی شفاعت وغیرہ پر نہیں کہ وہ وقت عقیقہ آنے سے پہلے ہی گزر گیا عقیقہ کا وقت شریعت میں ساتواں دن ہے سات دن سے پہلے مر جانا درکنار۔ (المرجع السابق: صفحہ596)

اور ارشاد فرمایا: جو بچہ قبل بلوغ مر گیا اور اس کا عقیقہ کر دیا تھا، یا عقیقہ کی استطاعت نہ تھی یا ساتویں دن سے پہلے مر گیا ان سب صورتوں میں وہ ماں باپ کی شفاعت کرے گا جبکہ یہ دنیا سے باایمان گئے ہوں اس بارے میں متواتر حدیثیں ہیں، قربانی جو اپنے نابالغ بچہ کی طرف سے بعض کے نزدیک واجب ہے وہ اس کی زندگی ہی میں ہے بعد مرگ کسی کے نزدیک لازم نہیں، ہاں ان کی طرف سے کرے تو ان کو ثواب پہنچے گا، یونہی ماں باپ کی طرف سے بعد موت قربانی کرنا اجر عظیم ہے اس کے لئے بھی اور اس کے والدین کے لئے بھی۔ (المرجع السابق: صفحہ597،596)

والله تعالى اعلم وعلمه جل مجده أتم وأحكم

كتبه: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

6 جمادی الاخری 1442ھ 20 جنوری 2021ء

الجواب صحيح

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري

مساجد میں کاروباری اعلانات کرنا کیسا؟

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ اپنے کاروبار کا مسجد میں بار بار اعلان کروانا کیسا؟ مثلاً ایک ہفتہ میں تین بار اپنے کلینک میں مختلف ڈاکٹروں کے آنے کا اعلان اور یہی اعلان ہر ہفتے میں تین بار ایک ہی مسجد میں کروانا کیسا ہے؟ سائل: غلام عباس (گوجرانوالہ، پنجاب، پاکستان)

الجواب

پوچھی گئی صورت میں مسجد میں اسپیکر وغیرہ پر ایسا اعلان کرنا ناجائز وگناہ ہے، کیونکہ مساجد نماز ادا کرنے کے لیے بنائی جاتی ہیں، نہ کہ اعلانات کرنے کے لیے، اور ایسے اعلانات عین مسجد میں ہرگز نہیں کرسکتے اور اگر اسپیکر محراب میں رکھا ہو تو وہاں بھی نہیں کرسکتے، البتہ مسجد کے دروازے سے باہر یا فنائے مسجد میں کیے جاسکتے ہیں اور اگر اسپیکر استعمال کریں تو اسپیکر بھی مسجد سے باہر ہو۔ اور ان کاموں کے لیے مسجد کا اسپیکر بھی اسی صورت میں استعمال کیا جائے گا، جبکہ وہ اسپیکر کسی شخص نے ذاتی طور پر دیا ہو اور ایسے اعلانات کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت ہو یا لوگوں کے چندے سے ہو اور وہاں اس طرح کے اعلانات کے لیے مسجد کا اسپیکر استعمال کرنے کا عرف بھی ہو اور اس کے ساتھ مسجد کی بجلی کا بل بھی کوئی شخص ذاتی طور پر یہ جانتے ہوئے دیتا ہو یا لوگوں کے چندے سے یہ بل ادا ہوتا ہو، کیونکہ مسجد کی اشیاء کو ان کے عرف کے مطابق ہی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

مسجدوں کو بنانے کے مقصد کے بارے میں صحیح مسلم میں ہے:

"عن ابی هريرة يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من سمع رجلا ينشد ضالة في المسجد فليقل لا ردها الله عليك فان المساجد لم تبن لهذا"۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کسی شخص کو سنے کہ وہ مسجد میں اپنی گمشدہ چیز کا اعلان کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ اسے کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ تیری چیز نہ لوٹائے، مسجدیں اس کام کے لئے نہیں بنیں۔

(صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النھی عن نشد الضالۃ۔۔۔الخ، جلد 1، صفحہ 254، حدیث 568، مطبوعہ: بیروت)

اسی میں ہے:

”عن بريدة، ان النبي صلی اللہ علیہ وسلم لما صلی قام رجل فقال من دعا الی الجمل الاحمر، فقال النبي صلی اللہ علیہ وسلم لا وجدت، انما بنیت المساجد لما بنیت له“۔

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تو ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کون میرا سرخ اونٹ لے گیا ہے؟، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ تجھے نہ ملے، مسجدیں اسی کام کے لئے ہیں جس کام کے لئے بنائی گئی ہیں۔

(صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النھی نشد الضالۃ۔۔۔الخ، جلد1، صفحہ 210، حدیث569، مطبوعہ: بیروت)

در مختار میں ہے:

"ویحرم فیه السوال ویکره الاعطاء مطلقاً، و انشاد ضالة"۔

یعنی مسجد میں بھی مانگنا حرام ہے اور اس (مسجد کے بھکاری) کو دینا مطلقاً مکروہ ہے، اور مسجد میں گمشدہ چیز تلاش کرنا بھی ہر گز جائز نہیں"۔

اس کے تحت علامہ محمد امین ابن عابدین شامی علیہ رحمۃ اللہ علیہ میں فرماتے ہیں:

"ھی الشئی الضائع و انشاد السوال عنها"۔

یعنی گمشدہ چیز وہ جو ضائع ہو گئی ہو اور اس کے تلاش کرنے سے مراد ہے کہ دوسروں سے اس کے بارے میں پوچھنا (کہ میری فلاں چیز کسی کو ملی تو نہیں، توجب اپنی گمشدہ چیز کے بارے میں مسجد میں اعلان کرنا تو درکنار فقط لوگوں سے پوچھتے پھرنا جائز نہیں تو کاروبار کے اعلان کے جائز ہونے کی بھلا کیا صورت ہو سکتی؟)

اور صفحہ 436 پر فرماتے ہیں:

"لان المسجد ما بنی لامور الدنیا"۔

یعنی کیونکہ مسجد دنیاوی کاموں کیلئے نہیں بنائی گئی۔

اور محراب کے عین مسجد سے ہونے کے بارے میں فرمایا:

”والمحراب وان كان من المسجد الخ انما بنی علامة لمحل قیام الامام لیكون قیامه وسط الصف كماهو سنة“۔

یعنی محراب اگرچہ مسجد ہی سے ہے الخ بس اسے اس غرض کے واسطے بنایا جاتا ہے کہ صف کے درمیان کی نشانی رہے کیونکہ امام کا صف کے درمیان میں کھڑا ہونا سنت ہے۔

(در مختار مع رد المحتار: کتاب الصلوۃ، باب احکام المسجد، جلد2، صفحہ 433، دار عالم الکتب: ریاض)

فتح القدیر میں ہے:

”وینبغی أن یعرفها فی الموضع الذی أصابها فیه یعنی الاسواق وابواب المساجد فینادی من ضاع له شیء فلیطلبه عندی“۔

ترجمہ: اور مناسب یہ ہے کہ وہ اس جگہ اعلان کرے، جہاں ملی یعنی بازاروں اور مساجد کے دروازوں میں، پس وہ اعلان کرے کہ جس کی کوئی چیز گم ہوگئی ہو، تو وہ مجھ سے لے لے۔

(فتح القدیر: کتاب اللقطہ، جلد4، صفحہ 426، مطبوعہ: مصر)

امام اہلسنت **امام احمد رضاخان قادری** علیہ رحمۃ الرحمن ارشاد فرماتے ہیں:

” شرع مطہر نے مسجد کو ہر ایسی آواز سے بچانے کا حکم فرمایا ہے، جس کے لئے مساجد کی بنانہ ہو۔

(فتاوی رضویہ، جلد8، صفحہ 408، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

وقار ملت **مفتی وقار الدین قادری** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

””مسجد میں بھیک مانگنا جائز نہیں ہے، کیونکہ مسجدیں اس لئے نہیں بنائی گئیں کہ ان میں بھیک مانگی جائے، مسجد میں بھیک دینا بھی ممنوع ہے، مسجد سے باہر دے سکتے ہیں، مسجد میں کسی گمشدہ چیز کو تلاش کرنا، جائز نہیں، لہذا مسجد کے اسپیکر سے گمی ہوئی چیز کا اعلان کرنا بھی جائز نہیں ہے۔“ (وقار الفتاوی، جلد2 صفحہ 274، مطبوعہ بزم وقار الدین، کراچی)

مسجد کی اشیاء کو عرف کے مطابق استعمال کرنے کے بارے میں فتاوی ہندیہ میں ہے:

”ولا یجوز ان یترک فیه کل اللیل الا فی موضع جرت العادۃ فیه“۔

ترجمہ: مسجد میں ساری رات چراغ جلانا، جائز نہیں مگر جہاں اس کی عادت جاری ہوگئی ہو، وہاں جائز ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر، جلد2، صفحہ 459، مطبوعہ کوئٹہ)

مسجد کی چیزوں کو غیر مصرف میں خرچ کرنے کے حوالے سے صدر الشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

””مسجد کی اشیاء مثلا لوٹا چٹائی وغیرہ کو کسی دوسری غرض میں استعمال نہیں کرسکتے۔۔یوہیں مسجد کے ڈول رسی سے اپنے گھر کے لئے پانی بھرنا یا کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بے موقع اور بے محل استعمال کرنا، ناجائز ہے۔“

(بہار شریعت، جلد2، صفحہ 561 تا562، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

الجواب صحیح

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري

واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم

کتبہ: ابو محمد آصف مدنی عفی عنہ

14 جمادی الاخری 1442ھ 28 جنوری 2021ء

بلاشرعی وجہ امام کو معزول کرنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ ہماری مسجد میں جو امام ہیں وہ ماشاء اللہ بہترین حافظ، تعلیم یافتہ ہیں اور نماز کے تعلق سے ضروری مسائل سے واقف بھی ہیں، لیکن کچھ لوگ ان کو زبردستی نکالنے پر بضد ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کسی اچھے عالم اور مفتی کو امامت کے لئے رکھیں گے؟ سائل: عبد اللہ، پاکستان

الجواب

حقیقی عالم ومفتی کا مسجد کی امامت کے فرائض سرانجام دینا بہت بڑی سعادت ہے اور حتی الامکان ہر مسجد میں کسی اچھے عالم ومفتی کو ہی منصب امامت پر فائز کرنا چاہئے لیکن فقط اس مقصد کے حصول کیلئے سابقہ امامت کے اہل شخص کو معزول کرنا جبکہ اس میں کسی طرح کی کوئی شرعی خرابی نہ ہو ہرگز درست نہیں۔

لہذا پوچھی گئی صورت میں موجودہ امام کے اندر اگر شرعاً مُوجب کراہت (ناپسندیدگی کی) کوئی بات نہیں ہے، مسجد کمیٹی اور اکثر نمازیوں کو بھی موجودہ امام سے کوئی شکایت نہیں اور امام صاحب، امامت کے اوصاف سے متصف بھی ہیں تو بلاوجہ ان کو ہٹانے کی اجازت نہیں ہے البتہ اگر امام قرآن صحیح نہ پڑھتا ہو یا اس کا عقیدہ صحیح نہ ہو یا وہ داڑھی مونڈاتا یا ایک مٹھی سے گھٹاتا ہو یا دیگر منکرات ومعاصی (گناہوں) کا ارتکاب کرتا ہو تو ان وجوہ و اسباب کی بنا پر اسے معزول کیا جاسکتا ہے۔ اس کی کچھ تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

ترمذی شریف کی روایت میں ہے:

"کان یقال أشد الناس عذابا یوم القیامة إثنان امرأة عصت زوجها، وإمام قوم وهم له کارهون، قال هناد: قال جریر: قال منصور: فسألنا عن أمر الإمام فقیل لنا: إنما عنی بهذا الأئمة الظلمة، فأما من أقام السنة، فإنما الإثم علیٰ من کرهه۔"

یعنی سب سے زیادہ عذاب دو شخصوں کے لئے ہے: (1) اس عورت کے لئے جو شوہر کی نافرمانی کرے اور (2) وہ امام جو مقتدیوں کے ناراض ہونے کے باوجود امامت کرے۔ جریر منصور کے متعلق کہتے ہیں کہ ہم نے ان سے امام کے بارے

میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا اس سے مراد ظالم امام ہے۔ لیکن اگر وہ (شریعت و) سنت پر قائم ہو تو وہ مقتدی گناہگار ہوں گے (جو اس سے بیزار ہیں یا اس کی بلاوجہ شرعی مخالفت کرتے ہیں۔)

(سنن الترمذی، الصلاۃ، باب ماجاء فی من اَم قوماً وہم لہ کارہون، رقم:۳۵۹)

امامت کیلئے زیادہ بہتر کون ہے اس بارے میں امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اولٰی بامامت کسے است کہ مسائل نماز وطہارت داناتر است در تنویر است

"الاحق بالامامۃ الاعلم باحکام الصلٰوۃ"

یعنی امامت کے لئے وہ شخص لائق اور بہتر ہے جو مسائلِ نماز وطہارت میں زیادہ آگاہی رکھتا ہو، تنویر میں ہے امامت کا زیادہ حقدار وُہ ہے جو احکام نماز سے زیادہ آگاہ ہو۔ (در مختار باب الامامۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۸۲)

اور کم از کم امام کیسا ہونا چاہیئے اس بارے میں فرماتے ہیں:

امام ایسا شخص کیا جائے جس کی طہارت صحیح ہو قرأت صحیح ہو سنّی صحیح العقیدہ ہو فاسق نہ ہو اس میں کوئی بات نفرت مقتدیان کی نہ ہو مسائلِ نماز وطہارت سے آگاہ ہو۔

(فتاوی رضویہ: جلد6، صفحہ 618، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

بحر الرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

"استفید من عدم صحۃ عزل الناظر بلاجنحۃ عدمہا لصاحب وظیفۃ فی وقف بغیر جنحۃ وعدم اھلیۃ"

بغیر جرم نگران کی معزولی کی عدم صحت سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ وقف کا کوئی نگران باوظیفہ ہو تو بھی بغیر جرم اور نااہلیت کے بغیر معزول نہیں کیا جاسکتا۔ (بحر الرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۲۷)

امام اہلسنت امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بغیر عذر شرعی کے امام کو خارج کرنیکا متولی وغیرہ کسی کو حق نہیں۔ در مختار میں ہے:

"لایجوز عزل صاحب وظیفۃ بغیر جنحۃ"

یعنی کسی صاحب وظیفہ کو بغیر جرم کے معزول کرنا جائز نہیں۔ (فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۵۱)

(ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۶و۴۱۹)

(فتاوی رضویہ جلد ۱۶ صفحہ ۵۸۷، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

امام اہلسنت علیہ الرحمہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

(امام) بدمذہب نہ (ہو)، اس کی طہارت یا قراءت یا اعمال وغیرہ کی وجہ سے کوئی وجہِ کراہت (بھی نہ ہو) تو بلا وجہ اس کو معزول کرنا ممنوع (منع) ہے حتی کہ حاکم شرع (بادشاہ و قاضی اسلام) کو اس کا اختیار نہیں دیا گیا۔

(فتاوی رضویہ: جلد 3، صفحہ 241، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

لہذا جو لوگ بغیر کسی شرعی خرابی کے امام کو منصب امامت سے ہٹانے پر اڑے ہیں وہ سخت غلطی پر ہونے کے ساتھ ایذائے مسلم پر بھی آمادہ ہیں اور ایذائے مسلم حرام ہے حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من اذی مسلما فقد اذانی و من اذانی فقد اذی اللہ"

یعنی جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی۔

(معجم الاوسط، باب السین، من اسمہ: سعید، ۲ / ۳۸۶، الحدیث: ۳۶۰۷)

لہذا ان لوگوں پر لازم ہے کہ اس غیر شرعی فعل سے باز رہیں اگر وہ نہ مانیں تو مسلمان ایسے فتنہ پرور لوگوں سے دور رہیں اور ان کو اپنے سے دور رکھیں خدائے تعالی کا فرمان ہے:

"ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار" (پارہ 12 سورہ ہود آیت 113)

الجواب صحیح

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري

و اللہ تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ أتم و أحكم

کتبہ: ابو محمد آصف مدنی عفی عنہ

14 جمادی الاخری 1442ھ 28 جنوری 2021ء

مولیٰ علی کو افضل الصحابہ کہنے والے کی امامت کا حکم

زید ہماری مسجد کا امام ہے اور کہتا ہے کہ میرے نزدیک سیدنا مولیٰ علی شیر خدا رضی اللہ علیہ تمام امت یہاں تک کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی افضل ہیں، کیا ہم زید کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب

زید کا عقیدہ اہلسنت کے متفقہ عقیدہ کے خلاف ہے لہذا اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ، اگر پڑھ لی تو لوٹانا واجب ہے۔

اس کی مزید تفصیل امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح کے کئے گئے ایک سوال و جواب سے من و عن پیش کی جاتی ہے ملاحظہ فرمائیں چنانچہ آپ سے سوال ہوا کہ

اہلسنت وجماعت کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام افضل البشر ہیں، زید وخالد دونوں اہل سادات ہیں، زید کہتا ہے کہ جو شخص حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فضیلت دیتا ہے اُس کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے۔ خالد کہتا ہے کہ میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ حضرت ابا بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فضیلت ہے اور ہر سید تفضیلیہ ہے اور تفضیلیہ کے پیچھے نماز مکروہ نہیں ہوتی بلکہ جو تفضیلیہ کے پیچھے نماز مکروہ بتائے خود اس کے پیچھے مکروہ ہوتی ہے۔

الجواب

تمام اہلسنت کا عقیدہ اجماعیہ ہے کہ صدیق اکبر وفاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے افضل ہیں، ائمہ دین کی تصریح ہے جو مولیٰ علی کو اُن پر فضیلت دے مبتدع بد مذہب ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

فتاویٰ خلاصہ وفتح القدیر وبحر الرائق وفتاویٰ عالمگیریہ وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے:

ان فضل علیا علیہما فمبتدع

یعنی اگر کوئی شخص حضرت علی کو صدیق وفاروق، پر فضیلت دیتا ہے تو وہ بدعتی ہے۔

(خلاصۃ الفتاویٰ کتاب الصلوٰۃ الاقتداء باھل الھوائ مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱ /۱۴۹)

ف: خلاصۃ الفتاویٰ میں "ان فضل علیا علی غیرہ" ہے۔

غنیہ وردالمحتار میں ہے: الصلوٰۃ خلف المبتدع تکرہ بکل حال

یعنی بد مذہب کے پیچھے ہر حال میں مکروہ ہے۔ (ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱ /۴۱۴)

ارکانِ اربعہ میں ہے: الصلوٰۃ خلفھم تکرہ کراھۃ شدیدۃ

یعنی ان تفضیلی حضرات کی اقتداء میں نماز شدید مکروہ ہے۔ (رسائل الارکان فصل فی الجماعۃ مطبوعہ مطبع علوی انڈیا ص۹۹)

ف: عبارت مفہوماً منقول ہے لفظاً نہیں۔ الفاظ یوں ہیں:

فیجوز خلفھم الصلوٰۃ لکن یکرہ کراھۃ شدیدۃ۔

تفضیلیوں کے پیچھے نماز سخت مکروہ یعنی مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب۔ واللہ تعالیٰ اعلم

واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم

کتبہ: ابو محمد آصف مدنی عفی عنہ

الجواب صحیح

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري

18 جمادی الاولیٰ 1441ھ 3 جنوری 2021